بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ | محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکرِ اسلام امام احمد رضا حنفی کے اصلاحی و تحقیقی افکار کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد: 32 | شمارہ: 01

جنوری ۲۰۱۲ء / صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

حُسنِ ترتیب (شمارہ جنوری ۲۰۱۲ء)

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے
بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: قم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔ ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214 حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔
فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+
ای میل: imamahmadraza@gmail.com
ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

اپنی بات: قانون سے وفاداری

دلاور خاں

اسلامی نظام حیات میں قانون کے احترام اور اس کی بالادستی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اور اسی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ریاست کے اداروں اور افراد کے تنازعات خوش اسلوبی اور پُر امن طریقے سے حل کیے جاتے ہیں۔ جس معاشرے میں قانون کے تقاضے پورے نہیں ہورہے ہوں وہاں کی حکومت دیرپا نہیں ہوسکتی؛ ایسی حکومت کو زمین بوس کرنے کے لیے وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ نظام حکومت میں قانون سے وفاداری کی مثال جسم میں خون کی گردش کی سی ہے؛ جب جسم میں خون آزادی سے گردش کررہا ہو تو تمام اعضائے جسمانی سکون و آرام سے اپنے افعال سرانجام دیتے ہیں۔ جیسے ہی جسم کے کسی حصے میں خارجی یا داخلی وجوہات کی بنا پر گردشِ خون معطل ہوجائے تو پورا جسم ایک کرب میں مبتلا ہوجاتا ہے اور جسم کی فعالیت روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ انسان کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح کا تعلق ریاستی اداروں اور قانون سے وفاداری میں پنہاں ہے، یعنی ریاست اور قانون کی بالادستی کا تعلق موت و زندگی کی مانند ہے۔

جمہوری حکومت کی بقا کا راز مضبوط عدلیہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ عدلیہ کی ذمّے داری ہے کہ وہ ہر صورت میں قانون کی حکمرانی کو قائم رکھنے اور انصاف کی فراہمی میں کسی مصلحت، شخص اور ادارے کو خاطر میں نہیں لائے اور نہ ہی کوئی ایسا اقدام کرے جس سے عدلیہ کی غیر جانب داری مشکوک ہو۔ اسلامی تعلیمات کے مطالعے سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں اداروں اور حکمرانوں کی حکمرانی کا کوئی تصور موجود نہیں، بلکہ اسلام قانون سے وفاداری کا درس دیتا ہے کہ قانون کہ تحت عوام، ادارے اور حکمران بالکل برابر ہیں۔

سیرت النبی میں متعدد واقعات اسی حقیقت کی غمازی کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس ایک مقدمہ لایا گیا جس کے فریقین مسلم اور غیر مسلم تھے۔ آپ نے دلائل اور شہادتیں سماعت فرمانے کے بعد غیر مسلم کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا۔

فتح مکہ کے موقع پر قریش کے معزز قبیلے بنو مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ بنت اسد چوری میں ملوث پائی گئیں، جس کی سزا قطع ید تھی۔ بنو مخزوم کے افراد گھبرائے ہوئے حضرت اسامہ بن زید کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ حضور ﷺ سے اس معزز خاتون کی سزا کو ختم کرنے کی سفارش کریں۔ حضرت اسامہ نے حضور سے اس خاتون کی سزا میں رعایت کی سفارش کی تو آپ کے روئے انور پر غصے کے آثار نمودار ہوئے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کے بارے میں گفتگو کرتے ہو؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لرز اٹھے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے لیے اللہ سے مغفرت طلب فرمایئے؛ شام ہوئی حضور اکرم ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور ان میں سے کوئی کمزور یا غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

مال غنیمت تقسیم کرتے وقت ایک صحابی آپ سے چمٹ گئے؛ آپ نے انہیں چھڑی سے دور کردیا جس سے ان کے منہ پر خراش آگئی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: ”مجھ سے بدلہ لے لو“؛ صحابی رسول نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں نے آپ کو معاف کردیا۔ ایک دفعہ خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی حضرت رُبیع بنت نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ سے ایک کنیز کے دو اگلے دانت ٹوٹ گئے، اس کے ورثا نے دیت طلب کی جس کے دینے سے حضرت رُبیع رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے انکار کردیا؛ اس پر ان لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں قصاص کا دعویٰ کردیا۔ حضرت رُبیع بڑی مخلص صحابیہ تھیں اور ان کے فرزند سراقہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں جام شہادت نوش

کر چکے تھے۔ جب یہ مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے کتاب اللہ کے مطابق قصاص کا فیصلہ صادر فرمایا۔ حضرت رُبیع کے بھائی حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میری بہن ربیع کے دانت توڑے جائیں گے؟ اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس کے دانت ہرگز نہیں توڑے جائیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس رضی اللہ عنہ! قصاص کا حکم تو کتاب اللہ میں آیا ہے (ہاں اگر مدعی دیت قبول کرلیں تو قصاص ٹل سکتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ مضروب کنیز کے افراد دیت لینے پر راضی ہو گئے اور یوں حضرت ربیع قصاص سے بچ گئیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں یوں اعلان فرمایا: "اے لوگوں میں تمہارا والی بنا دیا گیا ہوں مگر میں تم سب میں کسی سے اچھا نہیں ہوں؛ پس جب میں اچھا کام کروں تو میری معاونت کرنا اور جب غلطی کروں تو میری رہنمائی کر دینا۔ میری اطاعت اس وقت تک کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کرتا رہوں۔ اگر میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم پر بھی میری اطاعت واجب نہیں"۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا: "اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور تلوار نیام سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمر نے آزمانے کے لیے ڈانٹ کر کہا: کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت نے فرمایا: الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ کج ہو گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔"

اس کے برعکس پاکستانی سیاست کا یہ ناسور ہے کہ اداروں، شخصیات اور جماعتوں کی حکمرانی اور ان سے وفاداری کو قائم رکھنے کے لیے کسی بھی حربے کو استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ ان شخصیات کی بالا دستی اور انہیں تحفظ فراہم کرنے کے لیے قانون میں بھی ترمیم کرنا پڑے تو کر دی جاتی ہے۔ جب صورت حال یہ ہو کہ ہر مقتدر شخصیت، قانون سے وفاداری کی بجائے اپنی بالا دستی قائم کرنے کے لیے دنگل کے نقارے بجا رہا ہو تو ایسی صورتِ حال میں کوئی بھی ادارہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہ سکتا۔

تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں اداروں اور شخصیات کے احساسِ برتری کو تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اس فکر و فلسفہ کو فروغ دیا جائے کہ تمام ادارے صرف اور صرف قانون کے وفادار رہیں، نہ کہ شخصیتوں اور سیاسی جماعتوں کے۔ عصرِ حاضر میں تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جماعتوں اور شخصیات سے وفاداری کو قانون کی حکمرانی پر قربان کر دیا جائے تو ملک پاکستان کو کئی بحرانوں سے نکالا جا سکتا ہے۔ جس سے سیاسی استحکام جنم لے گا اور جس کے نتیجے میں امن اور خوش حالی کے دور کا آغاز ہو گا۔

وفیات

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کے صدر جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب کے بڑے بھائی جناب سید شجاعت رسول قادری صاحب، جمعیت علمائے پاکستان کے سابق صدر اور انگریزی مترجم کنزالایمان جناب پروفیسر سید شاہ فرید الحق صاحب، ادارۂ ہٰذا کے سیکریٹری اطلاعات جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد حسن امام صاحب کے والدِ ماجد اور افضل حسین نقشبندی صاحب کی دادی محترمہ انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادارے کے جملہ اراکین مرحومین کی مغفرت و بلندیِ درجات اور تمام لواحقین کے صبر جمیل کے لیے دعا گو ہیں۔

دعائے صحت کی اپیل

پروفیسر حافظ عطاء الرحمٰن قادری رضوی (لاہور) گر کر سر میں شدید چوٹ لگنے کی وجہ سے چند روز آئی سی یو میں رہے۔ جملہ قارئین معارفِ رضا سے بالخصوص اور تمام مسلمانوں سے بالعموم دعائے صحت کی درخواست ہے۔

نعمت اللہ

مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں

مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادے حجتہ الاسلام شاہ حامد رضا کے فرزند تھے۔ ریحان ملت مولانا ریحان رضا خاں رحمانی میاں اور تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں ازہری آپ ہی کے صاحبزادگان ہیں۔ مفسر اعظم کی حیات و خدمات پر اب تک بہت کم مواد منظر عام پر آسکا ہے۔ آپکی جو تصانیف شائع ہوسکیں وہ بھی اب نایاب ہیں۔ گذشتہ سال ماہنامہ معارف رضا کے شماروں میں آپ کی دو تصانیف ''ذکر اللہ'' اور ''زیارتِ قبور'' اور ایک مختصر تحریر'' معروف و منکر'' کے عنوان سے آپ کی ایک مختصر تحریر شائع ہوئی ہیں۔ اس ماہ عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر آپ کی ایک نایاب تصنیف ''نعمت اللہ'' پیش کی جارہی ہے۔ (عبید)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سَرْمَدًا۔

وَالصَّلاۃُ والسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَدًا۔ اَمَّا بَعْد بخاری شریف کا قاعدہ ہے اوپر عنوان باب میں آیت لکھتے ہیں اور نیچے مناسب عنوان میں حدیث چنانچہ یہ آیت اولاً لکھی اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَالْبَوَارِ جَھَنَّمَ یَصْلَوْنَھَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ۔ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا نِعْمَةُ اللّٰہِ ھُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔ مختصراً۔ ترجمہ آیت کا اس طرح ہے۔ کیا آپ نے دیکھا اُن لوگوں کی طرف جنھوں نے بدل دیا اللہ کی نعمت کو ناشکری سے اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا داخل ہوں گے جہنم میں کہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔ مسندِ امام اعظم کی حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اُس سے ناراض ہیں، تو عرض کیا: اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ نِعْمَةِ اللّٰہِ۔ میں اللہ کی پناہ میں آیا اللہ کی نعمت کے غضب سے تو رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی نعمت کہا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا۔ اللہ نے احسانِ عظیم فرمایا ہے ایمان داروں پر جب اُس نے اُن میں اپنا رسول بھیجا۔

اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ آمین۔ ہدایت فرما ہمیں صراطِ مستقیم (سیدھے راستہ) کی اُن لوگوں کے راستے کی جن پر تونے اپنی نعمت کی؛ نہ ان کے راستے کی جن پر تونے غضب فرمایا اور نہ گمراہوں کے راستے کی۔ شفا شریف میں حضرت حسن بصری و ابو العتاہیہ سے ہے کہ صراطِ مستقیم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تونے اپنی نعمت فرمائی ہے یعنی جن کے دلوں میں تونے محبت و عظمتِ رسول ڈالی ہے، نہ وہ جن پر تونے غضب فرمایا۔ تو یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے نعمت نہ فرمائی۔ ابو جہل و ابو لہب۔ عبد اللہ بن ابی اور اُن کے امثال۔ ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ۔ اس کا ترجمہ تقویۃ الایمان۔ ص ۳ پر تحریر کیا۔ ترجمہ اور اللہ اکیلا ہے جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول ان میں سے کہ پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقل کی باتیں اور بے شک تھے وہ پہلے سے گمراہی صریح میں۔ ف یعنی یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا کہ اس نے بے خبروں کو خبر دار کیا اور ناپاکوں کو پاک اور جاہلوں کو عالم، احمقوں کو عقلمند۔

دلائل الخیرات شریف میں حضور کا نامِ مبارک نعمت اللہ دیا۔ مدارج النبوۃ شریف میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے آپ کا نام نعمت اللہ تحریر فرمایا۔ شفا شریف میں ہے وقال سہل فی قولہ تعالیٰ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔ قَالَ نِعْمَتُہٗ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور کہا سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کے اس قول کے بارے میں کہ اگر شمار کرو اللہ کی نعمت کو تو نہ کرسکو گے۔ تو کہا کہ اللہ کی نعمت بوسیلہ محمد ﷺ کے ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اے ایمان دارو! ڈرو اللہ سے ڈرنے کا حق (جیسا ڈرنا چاہیے) اور نہ مرو مگر مسلمان ہو کر۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ وَلَا

تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ اور پکڑو اللہ کی رسی کو اکھٹے اور متفرق نہ ہو جاؤ اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے۔ جب تھے تم باہم دشمن تو اللہ نے تمہارے دل ایک کر دیے تو ہو گئے تم اللہ کی نعمت کے وسیلے سے باہم بھائی بھائی اور تھے تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے تو تمہیں اُس سے نکال لیا۔

تشریح: اے ایمان دارو! اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ اتقا کرو اللہ سے حقِ تقویٰ۔ اور ہم اپنی کتابوں ترجمہ "الدرر السنیہ" میں خصوصاً تفصیل سے لکھ چکے کہ تقویٰ نام ہے ادب کرنے کا۔ جنابِ سرورِ کائنات ﷺ کے بدلیل۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ۔ بے شک جو لوگ اپنی آوازیں پست کرتے ہیں (ازروے ادب) رسول اللہ ﷺ کے نزدیک یہ وہ ہیں کہ ان کے دلوں کو آزمالیا ہے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے (یعنی ادب کے لیے۔ جیسے حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی نے تحریر فرمایا ہے) اور بدلیل آیۂ کریمہ: وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ۔ اور ہم نے اُن کے لیے کلمۂ تقویٰ (کلمہ ادب کلمۂ محمد رسول اللہ) لازم کر دیا اور تھے یہ اُس کے حق دار واہل اور شانِ نزول اس کا یہ ہے کہ حدیبیہ میں صلح نامہ میں تحریر ہوا کہ صلح نامہ ہے درمیان محمد رسول اللہ اور اہلِ مکہ کے اور یہ لکھا جا چکا تھا کہ سفیرِ قریش نے کہا محمد بن عبد اللہ لکھا جائے، نہ محمد رسول اللہ اور اس پر سخت اصرار کیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اُمْحُ رَسُوْلَ اللّٰهِ میٹ دو رسول اللہ کو۔ آپ نے عرض کی: وَاللّٰهِ لَآ اَمْحُهٗ اَبَدًا قسم خدا کی میں اسے کبھی نہ میٹوں گا۔ قرآن نے فرمایا: وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ ہم نے ان کے لیے کلمۂ تقویٰ (کلمہ ادب کلمہ محمد رسول اللہ) کو لازم کر دیا ہے۔ تو ترجمہ ہوا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ اے ایمان دارو ڈرو اللہ سے جیسے ڈرنا چاہیے یعنی ادب کرو اللہ کے نبی کا جیسے کرنا چاہیے، اللہ سے ڈر کر۔ اور قرآن کے معانی میں بہت وسعت ہوتی ہے۔ آیۂ کریمہ ہے جسے بخاری نے بطورِ عنوان باب کے لکھا: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ؕ۔ اور اتقا کرو۔ بچو۔ اُس فتنہ سے کہ اُس کی برائی و نحوست خاص کر ظالموں ہی کو نہ پہنچے گی اور جانو اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے اور نیچے یہ حدیث لکھی ہے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ملخصاً۔ نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں اور یہاں سے شیطانی گروہ نکلے گا۔ تو ترجمہ ہو رہا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ اے ایمان دارو! اتقا کرو اللہ سے ڈرو اللہ سے جیسے ڈرنا چاہیے۔ یعنی اللہ سے ڈر کر اُس فتنہ سے بچو جو نجد سے نکلے گا جیسے بچنا چاہیے بچنے کا حق۔ یہ ترجمہ اس کے مثل ہے کہ کہا جائے گناہوں سے بچو جیسے بچنا چاہیے۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اور نہ مرو مگر مسلمان ہو کر یعنی تم نے اگر اللہ کا خوف نہ کیا اور نبی ﷺ کا ادب نہ کیا اور فتنہ سے نہ بچے، جیسا کہ کرنا چاہیے، جیسا اُس کا حق ہے تو اسلام پر خاتمہ نہ ہو گا۔ نعوذ باللہ۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اللہ کی رسی کو پکڑو اکھٹے۔ متفرق نہ ہو جاؤ یعنی اگر خوفِ خدا اور ادبِ نبی اور اتقاءِ فتنہ نہ کیا تو متفرق ہو جاؤ گے اور اللہ کی رسی پکڑنا کیا ہے۔ اسے ترجمہ "الدرر السنیہ" میں واضح کر چکے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الی اٰخرہ اور یاد کرو اللہ کی نعمت (جناب محمد رسول اللہ ﷺ) کو جب تھے تم باہم دشمن تو اللہ نے اس نعمت کے ذریعہ و وسیلہ سے تمہارے باہم محبت ڈال دی تھی تو ہو گئے تم اللہ کی نعمت کی وجہ سے باہم بھائی بھائی۔

تو یہ تفریق و اختلاف کے دور کرنے کی تدبیر بیان فرمائی کہ ہماری نعمت کا تذکرہ کرو۔ بایں طور کہ وہ نعمت ہیں تو پہلے بھی تمہارے اختلافات باہم دور ہو گئے ہیں پھر پیدا ہوتے ہیں۔ تو انہی کا ذکر کرو۔ پھر باہم تم دوست اور بھائی ہو جاؤ گے اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ سنّی وہابی اختلافات دور ہو جائیں گے کہ اگر اُنہیں نعمت سمجھ کر اُن کا تذکرہ کیا جائے اور اُن کو وسیلۂ نجات و فلاح دنیا و آخرت جیسا کہ در حقیقت وہ ہیں سمجھا جائے اور ہو گئے تم بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ اس نعمت کے ذریعہ و وسیلہ سے باہم بھائی۔ تو جو اُس وسیلہ و ذریعہ کے منکر ہوئے وہ اخوان الشیاطین تو ہو سکتے ہیں، اخوان المسلمین نہیں۔ تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ماں اور باپ کے اولاد باہم بھائی ہوتے ہیں تو باہم بھائی ہونے کے لیے ایک ماں اور ایک باپ ذریعہ ہوتے ہیں نہ یہ کہ یوں کہا جائے کہ اُس باپ کے یہ لوگ بھائی ہیں۔ بھائی تو باہم ہیں باپ کے تو بیٹے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے: اللہ کی نعمت کی وجہ سے باہم بھائی ہو گئے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ہمارے بھائی ہیں تو یہ ہے بے ادبی اور خیانت

اور شیطنت۔ اور یاد رہے کہ مضمون یہاں سے شروع ہوا تھا۔ اے ایمان دارو! ڈرو اللہ سے جیسے ڈرنا چاہیے یعنی ادب کرو نبی ﷺ کا جیسے کرنا چاہیے اور نہ مرو مگر مسلمان ہو کر یعنی اگر ادب نہ کیا اور خدا سے نہ ڈرے تو اسلام پر نہ مروگے۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا اور تھے تم دوزخ کے گراوٴ گڑھے کے کنارے تو تمہیں اس سے نکال لیا۔ (بوسیلہ نبی ﷺ) اور حدیث ہے مشکوٰۃ شریف میں میری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے آگ روشن کی تو یہ پروانہ اور جانور اُس میں گر رہے ہیں تو تم آگ میں گرنا چاہتے ہو وَاِنِّیْ آخِذٌ بِحُجُزِكُمْ اور میں تمہاری کمریں پکڑ کر روک رہا ہوں تو یہ سب کے لیے قیامت تک اس کے لیے حضورِ سرکارِ دو عالم ﷺ قیامت تک جتنے بھی انسان پیدا ہوں گے سب کی طرف رسول ہیں تو اللہ کی نعمت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مانع ہیں ہمیں دوزخ میں گرنے سے اور اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کے اس تصّرف کو اپنی طرف نسبت فرماتا ہے۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا اور بے شک رسول اللہ ﷺ کی مدد۔ مدد الٰہی ہے بوسیلہ نبی ﷺ۔ اور جو اس نعمت کا منکر ہوا وہی وہ ہے جسے دوزخ میں گرنے سے اب کوئی مانع باقی نہ رہا پس وہ بلاشبہ گرے گا۔

اور یہی وہ مضمون ہے جو قرآن میں آیا: وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ اگر نہ ہوتی میرے رب کی نعمت (مجھ پر) تو ہوتا میں دوزخی؛ اور "لَوْلَا" قرآن و حدیث میں جہاں جہاں آتا ہے تو یہ باہم مناسبت کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسے: لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ اگر نہ ہوتے آپ تو میں آسمان نہ بناتا تو ہر وجود تابع ہے وجود نبی ﷺ اگر آپ نہ ہوتے، کچھ نہ ہوتا۔ ہر نعمت کا وجود، سبب اُس کا وجودِ نبی ﷺ ہے۔ ہر چیز آپ کے صدقے میں ہے، آپ کے طفیل۔ اور یہ حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں ہے: یارسول اللہ ابو طالب نے آپ کی بہت خدمت کی اور دشمنوں سے آپ کی حفاظت۔ اُنہیں آپ سے کیا نفع پہنچا۔ آپ نے فرمایا: اِنَّهٗ فِیْ ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ وَّلَوْلَآ اَنَا لَكَانَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ اُنہیں دوزخ کا ہلکا عذاب ہے کہ دوزخ صرف اُن کے تلووں کو چھوتی ہے۔ لَوْلَآ اَنَا۔ اگر نہ ہوتا میں تو ہوتے درکِ اسفل میں، نچلے طبقہ میں۔ تو یہ نفع ابو طالب کو ہوا حضور علیہ السلام کی وجہ سے کہ اُنہیں ہلکا عذاب ہے۔ تو مشرک کو خدمت و نسبت سے یہ نفع ہوا۔ اگر نہ ہوتا میں تو ہوتے درکِ اسفل میں۔ تو معلوم ہوا کہ درکِ اسفل میں وہ لوگ ہوں گے جن کے حضور علیہ السلام حامی و مددگار و وکیل نہ ہونگے اور یہ کون ہوں گے؟ اس کا بیان قرآن شریف میں موجود ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ بے شک منافق درکِ اسفل میں ہوں گے۔ حدیث نے فرمایا: لَوْلَآ اَنَا لَكَانَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ؕ اگر میں نہ ہوتا تو درکِ اسفل میں ہوتے۔ اب دونوں کو ملالو۔ تو منافق منکر ہوئے شانِ رسالت اور اُن کی شفاعت و اختیار و وکالت کے۔ تو یہ درکِ اسفل میں ہونگے باوجود لاالٰہ الااللہ کہنے اور نماز پڑھنے کے نعوذ باللہ منہم تو: لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ وَلَوْ لَآ اَنَا لَكَانَ فِی الدَّرْكِ الاسفلِ مِنَ النَّارِ سے ملا کر سمجھیں۔

اب یہ وہ مقام ہے کہ اس موقع پر ہم اس آیت کا ذکر کریں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللہ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا۔ پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو پھر اُس کا انکار کرتے ہیں تو یہ ہیں یہود و منافقین و منکرین۔

لیکن ہم بحمدہ تعالیٰ ابھی پہچان لیں گے کہ وہ منکرین نعمت کون لوگ ہیں تو اسی آیت: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا کے نیچے لکھا۔ کتاب التوحید مصنفہ محمد بن عبدالوہاب شیخ نجدی میں: وَتَقُوْلُ لَوْلَا الْكَلْبُ والْبُط لَاَتَانَا اللُّصُوْصُ اگر نہ ہوتا کتا اور بط تو آتے ہمارے پاس چور۔ تو اللہ کی نعمت تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اُس کا انکار کرتا ہے اور اللہ کی نعمت کتے اور بط کو کہتا ہے اور وہ لَوْلَا جو قرآن و حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لیے آیا وہ کتے اور بط کے لیے ثابت کرتا ہے۔ ہر نعمت صدقے میں اللہ کے محبوب ﷺ کے تو یعرفون نعمۃ اللہ ثم ینکرونھا۔ تو پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو پھر اُس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ملاح حاذق (ناخدا) اور ہوا موافق کو (کشتی کے لیے) اللہ کی نعمت قرار دیتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ ہر نعمت اُن کے طفیل اور صدقے میں ہے اور اُنکے ذریعہ و وسیلہ سے ہے اور جب ناخدا کو اللہ کی نعمت کہا، تو ہماری کشتی حیات و کشتی دین و کشتی آخرت و کشتیِ عافیت کے ناخدا رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اُس کے کھنے والے، پار لگانے والے، منزل مقصود پر پہنچانے والے، آفات و بلا سے بچانے والے۔ جب ہم ایسا کہتے ہیں تو منکرینِ نعمت خدا کہتے ہیں تم تو اُن کو خدا کہہ

رہے ہو۔ نہیں ہم انہیں ناخدا کہتے ہیں،۔ خدا نہیں۔

اور تقویۃ الایمان ص۵ پر لکھا اور یہ جو اللہ کی نعمت تھی کہ وہ محض اپنے فضل سے بغیر واسطے کسی کے سب مرادیں پوری کرتا ہے اور سب بلائیں ٹالتا ہے اور دعائیں قبول کرتا ہے۔ تو اس کا حق نہ پہنچانا اور اُس کا شکر ادا نہ کیا، انتہیٰ کلامہ؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے بوسیلہ جنابِ محمد ﷺ۔ چنانچہ متعدِد احادیث میں آیا کہ دعا درود کے ساتھ قبول ہوتی ہے۔ پس درود وسیلہ ہوا قبولِ دعا کے لیے اور درود کے لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ درود استمداد و توسل ہے۔ تو منکرینِ توسل واستمداد کو درود شریف سے کیا نفع ہو۔

اور شکر مقابلے میں نعمت کے ہوتا ہے اور بخاری کی حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمت جناب محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں تو اللہ کی اس نعمت کی قدر کرنا اور اُن پر درود وسلام پڑھنا، محمد رسول اللہ کہنا اور نام مبارک کو بوسہ دینا اور انگلیاں آنکھوں پر لگانا، تعظیم وتوقیر کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اللہ کا شکر یہ ہے اور اس کا انکار یہ اللہ کی ناشکری اور کفر۔ پس آیاتِ الٰہی کا جو شکر کے بارے میں آئیں اُن کے معانی ہیں اللہ کی نعمت جناب محمد ﷺ کی قدر ومنزلت ومحبت و تعظیم وندا یارسول اللہ و روضہ کی زیارت اور شفاعت اور حضور کا ایسا عظیم المرتبت ہونا اور ذی وجاہت ہونا کہ رب تعالیٰ ان کی عرض کو ہمارے بارے میں قبول فرمائے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَ بُّكَ فَتَرْضٰى۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔ اس آیت کے نزول پر آپ کا فرمانا: اِذًالَّآ اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِى النَّارِ تب تو میں راضی نہ ہوں گا اور حالانکہ اگر میرا ایک امتی بھی آگ میں ہو۔

تو اللہ کی نعمت آپ سے توسل ہے، آپ سے استمداد، آپ کی شفاعت، آپ کا ایسے مرتبہ والا ہونا اللہ کی نعمت ہے۔ ہمارے لیے کہ شفاعت آپ کی غایت درجہ شرفِ قبولیت سے مشرف وممتاز ہے۔ شفاعت بالمحبت اللہ کی نعمت۔ شفاعت بالوجاہت اللہ کی نعمت۔ شفاعت بالاذن اللہ کی نعمت۔ یارسول اللہ کہنا اللہ کی نعمت۔ ذکر میلاد شریف اللہ کی نعمت اور عنقریب ان سب کے لیے دلائل پیش کیے جائیں گے۔

اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا۔ تو کیا آپ نے نہ دیکھا اُن لوگوں کی طرف جنھوں نے بدل دیا اللہ کی نعمت کو ناشکری (ناقدری) سے، کفر سے، انکار سے یہاں تک کہ جو اللہ کی نعمت ہے اُسے ہی کفر کہنے لگے: بَدَّلُوْانِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا۔ اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا۔

قرآن فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْالِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد دلاؤں گا اور میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو؛ تو میرا ذکر کرو۔ یہ متعلق ہے لا الٰہ الا اللہ کے اور میرا شکر کرو یہ متعلق ہے محمد رسول اللہ کے: وَاشْكُرُوْانِعْمَةَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر ہو تم کہ اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ یعنی اگر اللہ کی نماز پڑھتے ہو تو اللہ کے محبوب پر درود وسلام بھی پڑھو۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ اگر شکر یہ ادا کروگے تو اپنی نعمتیں ضرور زائد کروں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو جان لو اللہ کا عذاب بہت سخت ہے: مَايَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ اللہ تعالیٰ تم کو کیوں عذاب دے گا اگر تم شکر کروگے، نعمت کی قدر کروگے درود پڑھو گے کہ حدیث ہے جس نے مجھ پر درود پڑھا جمعہ کے دن سو بار اُس کے اسی ۸۰ برس کے گناہ معاف کردیے گئے اور دل سے مان لو گے اور اللہ شاکر ہے جاننے والا ہے (تمہارے شکر کا قبول کرنے والا اور علیم جاننے والا کہ یہ شکر دل سے ہے یا نہ) اِنْ كَفَرْتُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى بِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ اگر ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے بے پرواہ ہے اور اپنے بندوں سے ناشکری کرنے سے ناراض ہے اور اگر شکریہ ادا کروگے راضی ہوجائے گا تم سے۔ تو حق تعالیٰ شکر سے راضی اور ناشکری سے ناراض ہے۔ تو اللہ کی رضا کس چیز میں ہے اسے پہنچانیے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْيُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اللہ راضی ہوا ایمانداروں سے جب تیری بیعت کررہے ہیں درخت کے نیچے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ بے شک جو تیری بیعت کررہے ہیں (اقرار غلامی) کررہے ہیں) وہ اللہ سے بیعت کررہے ہیں؛ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر: وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے

رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی؛ تو اللہ کی رضا حضور کی غلامی میں ہے۔

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلَامِ بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور (محمد ﷺ) آیا اور قرآنِ مبین۔ ہدایت فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے اُس شخص کو جو اللہ کی رضا کا پیرو ہو گیا (اور رضاے الٰہی پہلے سمجھ چکے) سلام کے طریقوں کی۔ تو درود و سلام کے مختلف طریقے اللہ تعالیٰ اُسی کو اس طرف راہ نمائی فرماتا ہے۔ جو اللہ کی رضا کا تابع ہو گیا۔ جو اُس کی رضا کا تابع نہیں بلکہ اپنے ہواے نفس کا تابع ہے اُسے ہدایت نہیں ہوئی۔

اور یہاں ایک لطیف اشارہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا سچے عالمِ دین کی پیروی میں ہے جو اپنے وقت کا امام اور مجدد ہو۔ اور رضوان کا ترجمہ اردو میں "رضا" ہورہا ہے تو حقیقت یہی ہے کوئی بناوٹ اور تکلف مطلقاً نہیں۔ جو اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب مجدد دماتہ حاضرہ المتخلص بہ۔ رضا کا تابع ہو گیا وہ بے شک اللہ کی رضا کا تابع ہوا۔ اُسے قرآن ہدایت فرماتا ہے درود و سلام کی غیر کو نہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ؕ

سورۂ محمد کی آیات (۲۵ تا ۳۰):

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَھُمْ ؕ وَاَمْلٰی لَھُمْ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ کَرِھُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ سَنُطِیْعُکُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِسْرَارَھُمْ فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰہَ وَکَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ اَضْغَانَھُمْ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰکَھُمْ فَلَعَرَفْتَھُمْ بِسِیْمٰھُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اَعْمَالَکُمْ بے شک وہ لوگ جو مرتد ہو گئے اس کے بعد کہ ہدایت اُن پر خوب ظاہر ہو چکی تھی۔ شیطان (شیخ نجدی) نے انہیں فریب دیا اور دولت دنیا کی اُنہیں امید دلائی۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا اُن لوگوں سے (یہودی) جنہیں اللہ کا اتارا ہوا ناگوار ہے۔ (نعت نبی ﷺ) ایک کام میں ہم تمہاری مانیں گے (یعنی نعت نبی ﷺ چھپائیں گے تمہاری طرح اے یہود) اور اللہ اُن کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔ تو کیا ہو گا جب فرشتے اُن کی جان نکالیں گے مارتے ہوں گے ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر یہ اس لیے کہ انہوں نے متابعت کی اس بات میں جس میں اللہ کی ناراضی ہے اور اس کی رضا جس میں ہے وہ انہیں ناپسند ہوئی۔ تو اللہ نے ان کے اعمال حبط کر دیے۔ کیا جن کے دلوں میں بیماری ہے (نفاق و عداوت رسول کی) اس گھمنڈ میں ہیں کہ اللہ ان کی چھپی ہوئی عداوت اور کینے کو (نبی ﷺ سے) ظاہر نہ فرمائے گا اور اگر ہم چاہیں تو اُنہیں دکھا دیں تو تم اُن کی صورت سے پہچان لو۔ اور اُن کی بات کے اسلوب سے تو ضرور ہی پہچان لوگے اور اللہ تمہارے عمل جانتا ہے۔

تو حبطِ عمل ظاہر ہے کہ توہین رسول سے ہوتا ہے بدلیل اس آیت کے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (الحجرات، آیت ۲)

اور رضوان۔ رضا کا بیان آپ پڑھ چکے اور منافقوں کا یہودیوں سے کہنا ہم تمہاری اطاعت کریں گے ایک بات میں وہ نعتِ نبی ﷺ کا چھپانا ہے۔ بدلیل اس آیت کے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ ۫ فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْ ؕ (آلِ عمران: ۱۸۷ تا ۱۸۸) اور یاد کرو جب اللہ نے عہد و پیمان لیا یہودیوں سے تم ضرور ضرور ظاہر کر دو اُسے لوگوں کے لیے اور نہ چھپاؤ اُسے (نعت نبی علیہ السلام) تو انھوں نے اُسے پس پشت ڈال دیا اُس کے عوض دولت اپنی قبول کریں اور نہ گمان کریں آپ ہر گز کہ وہ لوگ جو خوش ہورہے ہیں اس چیز پر کہ اُن کی تعریفیں کی جائیں اُس چیز پر جو انہوں نے نہ کیا (گویا وہ کر چکے حالانکہ نہ کیا) (یعنی نعتِ نبی کا اظہار) اُن کو عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔

لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی۔ نہ شفاعت کریں گے مگر جس سے اللہ راضی ہو گیا جس سے اللہ راضی نہیں اُس کی شفاعت نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہے ناشکروں منکرینِ شفاعت سے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ خِطَابًا اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے اُس کا رحمٰن رحمت والا۔ محمد والا۔

ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خطاب کرنے کے مالک نہ ہونگے، مگر وہ کہ اذن (اجازت) دیا واسطے اُس کے رحمٰن (رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اور فرمایا حق: مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کون اُسی کے حضور شفاعت کرے مگر اُس کی اجازت سے۔ اس کی تفسیر ہے۔ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ، مگر جس کے لیے اذن عطا فرمایا ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے؛ تو ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ اذن غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے غیر کے لیے نہیں اور اس بات کو وہی سمجھے گا جس کو ذہانت وذکاوت سے حصّہ ملا اور محروم رہے گا اس کے سمجھنے سے غبی و شقی اس کی تفسیر ہے وہ حدیث کہ ہر نبی و رسول کے پاس جائیں گے سب شفاعت سے انکار کریں گے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ رضا و رضوان کے لیے الدرر السنیہ دیکھیے۔ حدیث ہے۔ وہ شخص بڑا خوش قسمت ہے جس کو تین چیزیں ملیں زبانِ ذاکر (لاالہ الا اللہ کہنے والی) قلبِ شاکر (یعنی محمد رسول اللہ کہنے والا) اور عورت ایمان دار جو مدد کرے ایمان پر۔

اور شیطانِ رجیم کو حق تعالیٰ نے جب راندۂ درگاہ فرمایا تو عرض کرتا ہے: قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ : (اعراف: ۱۶ تا ۱۷) وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ۔ بولا تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا تو اس کا بدلہ ان لوگوں سے یہ لوں گا کہ) میں انھیں صراطِ مستقیم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے روکوں گا۔ اُن کے دہنے بائیں آگے پیچھے سے آؤں گا (تو نتیجہ یہ ہو گا) کہ تو بہت سوں کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔ معلوم ہوا شیطان (شیخ نجدی) شکر سے باز رکھتا ہے۔ تو مومن شاکر ہوتا ہے اور منافق کفور۔ ناشکرا کفّار۔ ناشکرا۔ پس کفر کے دو معنیٰ ہیں۔ انکار اور ناشکری اور چونکہ کلمۂ طیبہ کے دو جز ہیں۔ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللہ۔ اس کا انکار کفر ہے بمعنی انکار اور محمد رسول اللہ۔ اللہ کی نعمت ہیں۔ ان کی ناقدری توہین۔ کفران کفر جس سے کَفُوْر اور کَفَّار ہے۔ ناشکری۔

پہلا کفر ''شرک'' ہے اور دوسرا ''نفاق''۔

اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبٍ ۙ (سورۂ ق: ۲۴ تا ۲۵) تو ڈال دو جہنم میں ہر بڑے ناشکرے معاند کو خیر سے بہت زیادہ روکنے والے کو۔ سرکش۔ شکی کو۔ غور کریں ناشکرے میں اتنے عیوب گنائے۔ عناد والا خیر کو روکنے والا۔ سرکش (تعظیم نہ کرنے والا) شک کرنے والا۔

خیر کیا ہے اس حدیث سے سمجھیں۔ حضور نے فرمایا جس نے لاالہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جو برابر یا گیہوں یا رائی برابر خیر ہے وہ جنت میں جائے گا تو خیر ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ۔ خیر کا بہت بڑا روکنے والا۔ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا روکنے والا۔ بخاری شریف میں آیۃ اور اس کی تفسیر کے بعد حضرت عبد اللہ بن عباس سے یہ حدیث نقل کی۔ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۔ اَیْ شُكْرَكُمْ ط۔ اور کرتے ہو تم اپنا رزق (غذا) یعنی اپنا شکر کہ جھٹلاتے ہو (تو کچھ لوگ ناشکری کی غذا کھاتے ہیں (غذا روحانی) اور کچھ اہلِ ایمان شکر کی (غذا روحانی) کھاتے ہیں۔

اور نیچے یہ حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں تھے کہ رات کو پانی برسا صبح کی نماز حضور علیہ السلام نے اس بارش کے اثر میں پڑھی۔ نماز کے بعد فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو اللہ نے کیا فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ اللہ نے کہا۔ صبح کی میرے بندوں نے اس حال میں کہ کچھ مجھ سے کفر کرتے ہیں اور ستارے پر ایمان لاتے ہیں؛ اور کچھ نے اس حال میں کہ مجھ پر ایمان لاتے ہیں اور ستارے سے کفر کرتے ہیں۔ تو جس نے کہا مطرنا بنوء کذا و کذا۔ ہمیں بارش دی گئی فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے (یعنی ساون بھادوں کا موسم آیا) تو اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستارے پر ایمان لایا؛ اور جس نے کہا ہمیں بارش دی گئی اللہ کے فضل و رحمت کی وجہ سے تو یہ میرے اوپر ایمان لایا اور ستارے سے کفر کیا۔ اس حدیث کو محمد بن عبد الوہاب شیخ نجدی نے کتاب التوحید میں اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا۔ حقیقتاً مقصد ان دونوں کا یہ ہے کہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں حضور علیہ السلام کی وجہ سے یہ ہو جائے گا، یہ ہو گیا۔ یہ کفر ہے۔

اور اس طرف ان لوگوں نے غور نہ کیا کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج میں تحریر فرمایا کہ حدیبیہ میں سخت گرمی تھی اور پانی کی سخت دقت۔ صحابہ نے حضور سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل پر اللہ نے دعاے موسیٰ علیہ السلام سے تیہ کے میدان میں بادل سے سایہ فرمایا: فَظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا

عصا مارا۔ اُس سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے اور ہم لوگ سخت تکلیف میں ہیں۔ حضور نے دعا فرمائی۔ تو شب کو پانی برسا (یہ ہے اللہ کی نعمت بوسیلہ نبی ﷺ)۔

تو جس نے کہا پانی دیا گیا اللہ کے فضل و رحمت کی وجہ سے یہ میرے اوپر ایمان لایا۔ تو اللہ کا فضل ورحمت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، بدلیل۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور فضل و رحمت متقارب المعنیٰ۔ بدلیل یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ؕ اللہ اپنی رحمت سے خاص فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ تو دوسری آیت نے بتایا کہ اللہ کا فضل و رحمت ایک ہی ہے: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ ہمیں بارش دی گئی اللہ کے فضل ورحمت سے (دعا نبی ﷺ اور ان کے وجود شریف کی برکت سے) تو یہ میرے اوپر ایمان لایا۔ تو بارش دینے والا اللہ ہے کوئی اور نہیں یہ ایمان ہوا۔ لاالہ الا اللہ پر۔ اور بارش ہوئی اللہ کے فضل و رحمت سے کہ وہ محمد رسول اللہ ہیں، اُن کی دعا سے اُن کی برکت سے یہ ایمان ہوا محمد رسول اللہ پر: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ اگر نہ ہوتا۔ اللہ کا فضل ورحمت تم پر تو ہوتے تم نقصان پانے والوں سے۔ لَوْلَا کا خیال رہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۔ تو اللہ کے فضل و رحمت پر دعا نبی ﷺ ان کی شفاعت اُن کی عنایت، ان کی رافت ورحمت پر؛ اُن پر شاق ہونا تمہاری آفات وبلائیں؛ ان کی حرص تمہاری خیر پر حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؕ اُن کے توسل واستمداد و درود و سلام و ذکرِ خیر پر خوشیاں مناؤ یہ اس سے بہتر ہے جو اہل دنیا مال جمع کر رہے ہیں۔ اس چیز کو پہچان کر ہمارا یہ درود و جود میں آیا: یا ذالفضل العظیم صل علیٰ فضلك العظیم والہ وصحبہ وبارك وسلم۔ اللھم تفضل علینا بفضلك العظیم فی الدنیا والآخرہ ۵۰۰ مرتبہ روزانہ۔ ترجمہ: اے فضل عظیم والے درود بھیج اپنے فضل عظیم پر اور ان کی آل واصحاب پر اور برکت اور سلام اور مجھ پر بہت بڑا فضل کر۔

اس سے ہم عقیدہ رکھتے ہیں مطرنا بفضل اللہ ورحمۃ ورزقنا بفضل اللہ ورحمۃ وغفرنا بفضل اللہ ورحمۃ ونصرنا بفضل اللہ ورحمۃ وعوفینا بفضل اللہ ورحمۃ واغنینا بفضل اللہ ورحمۃ واعطینا بفضل اللہ ورحمۃ ہم بارش دیے گئے اللہ کے فضل ورحمت کی وجہ سے، رزق دیے گئے گناہ معاف کیے گئے، مدد کیے گئے، عافیت دیے گئے، غنی کیے گئے عطا کیے گئے اللہ کے فضل ورحمت کی وجہ سے: ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ؕ تو حقیقۃً حدیبیہ کی یہ بارش (اور تمام انعامات واحسانات الٰہی) سبب اُس کا رسول اللہ ﷺ اور ان کی دعا ہے۔ تو بارش جو اللہ کی نعمت ہے وہ اللہ کی نعمت محمد ﷺ کے صدقے میں ہوئی۔ مسبب وہ میں اور سبب الاسباب رب تعالیٰ (مسبب اور سبب میں فرق نہ کرسک رہے ہیں) تو سمجھ رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ ستارے کی وجہ سے ہوئی شرک وکفر ہے۔ تو یہی بات اُن احمقوں کے خیال میں حضور علیہ السلام کے متعلق آئی۔ اور اسی لیے یہ حدیث لکھی۔ تو یہ وہ چیز ہے جس کی طرف بخاری شریف نے عنوان باب میں اشارہ فرمایا۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنَّکُمْ تُکَذِّبُوْنَ۔ اَیْ شُکْرَکُمْ اور بناتے ہو تم اپنی غذا ناشکری کو۔ (ہماری نعمت سے انکار کو)۔

اور مسلم شریف میں یہ حدیث چند اسناد سے آئی۔ (وہی حدیث حدیبیہ) مَا اَصبح عِبادی مِن نعمۃ الا کانوا بھا کافرین۔ یعنی یہ حدیبیہ کی بارش جو اللہ کی نعمت کی وجہ سے ہوئی۔ ہر نعمت جو میں اُنہیں دیتا ہوں اُس سے ناشکری کرتے ہیں۔ وہ ناشکری کیا ہے۔ دعا کو بتوسل حبیب ﷺ منع کرنا۔ اور کہنا اُن کی وجہ سے کچھ نہیں۔ نعوذ باللہ!

ناشکری کی غذا کیا ہے یہ سمجھ چکے۔ اب یہ آیۂ کریمہ آپ سمجھ سکیں گے انشاء اللہ تعالیٰ: وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ: (مائدہ: ۶۰) اور بنادیے حق تعالیٰ نے اُن میں سے بندر اور خنزیر اور دیو کے بندے۔ یہ لوگ بدترین اپنی جگہ کے اعتبار سے اور زیادہ بھٹک جانے والے سیدھے راستہ سے۔ تو بندر کی شکل و صورت ہاتھ پیر ناک کان بالکل انسان کی طرح ہوتے ہیں فرق صرف عقل کا ہوتا ہے۔ تو بندر اُس کو کہا جو بے عقل ہے اور بے عقل کون ہے، قرآن فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ: (سورۂ الحجرات: ۴) اے محبوب بے شک یہ جو آپ کو پکار رہے ہیں حجروں کے پیچھے سے (بے ادبی سے) اکثر اُن میں سے بے

عقل ہیں۔ یہ لوگ تھے نجدی بنی تمیم۔ تو حق تعالیٰ نے بے ادبوں کو بے عقل کہا ہے۔ تو یہ ہیں بندر ان کے دل میں ہے شیخ نجدی کا مندر۔ دیو۔ بند۔ دیکھیے ہمارا رسالہ ''حجۃ اللہ'' اور ان کو خنزیر کیوں کہا۔ اس لیے کہ اُس کی غذا ہے نجاست و گندگی: وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (سورۂ واقع: ۸۲)۔ اَیْ شُکْرَکُمْ۔ اور کرتے ہو اپنی غذا ناشکری کو۔ تو جو توہینِ رسول اور ناشکری کی غذا کھاتا ہے تو یہ ہے نجاست و گندگی و غلاظت۔ یہ غذا کھانے والا خنزیر ہے۔ اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولٰنا محمد و آلہ وصحبہ وبارك وسلم کما ھواھلہ وکما تحب وترضٰی لہ

یہ ہے سواء السبیل (محمد ﷺ) سے زیادہ بھٹک جانے والا۔ یاد رہے۔ ''صراط مستقیم'' نام ہے محمد ﷺ کا جیسا مذکور ہو چکا۔

اب بعون اللہ اس حدیث کی تاویل بھی معلوم ہوئی کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جب مومن مرے گا اور فرشتہ اس کی روح نکال کر جس وادی اور آسمان پر گزریں گے وہ وادیاں اور وہ آسمان خوشبو سے مہک جائیں گے۔ فرشتے کہیں گے کس مردِ من کی روح ہے جس سے آسمان و زمین مہک رہے ہیں؟ لانے والے کہیں گے فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ)۔ اور منافق کی روح سے فرشتے سخت ایذا پائیں گے۔ کہیں گے کس خبیث کی روح کو لے آئے ہو کہ زمین و آسمان میں بدبو پھیل گئی ہے؟ فرشتے کہیں گے فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ (یَارَبَّ مُحَمَّدٍ لَا تَجْعَلْنَا فِیْھِمْ) تو یہ بدبو منافق میں اُس غذا کی وجہ سے ہے جو اُس نے عمر بھر کھائی۔ توہینِ رسول کی غذا۔ اور مردِ مومن میں یہ خوشبو کہاں سے آئی۔

تو حدیث ہے جس مجلس میں میرے اوپر درود پڑھا جاتا ہے تو اُس مجلس سے رائحہ طیبہ (اچھی خوشبو) بلند ہوتی ہے جو آسمان تک پہنچتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں دیکھو اس مجلس میں درود پڑھا جارہا ہے۔

اور آیتہ کریمہ وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَاب (سورۂ البقرۃ: ۱۶۶)۔ ان کے لیے اسبابِ خیر منقلع ہوگئے۔ اس کے معنیٰ پر غور کریں۔ کافر مرنے پر اسبابِ دنیاوی سے منقطع ہو جائے گا اور اسبابِ اخروی جنّت کے اُس کے لیے کچھ نہ ہوں گے تو مغفرتِ ذنوب سبب اس کا شفاعتِ نبی ﷺ، دخول جنت سبب اس کا عنایت وحمایت نبی ﷺ ہے۔ اوپر کے مضامین یاد کریں: وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ (سورۂ والصّٰفّٰت: ۵۷)۔

وَلَوْلَا اَنَا لَكَانَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ دلائل الخیرات شریف میں رسول اللہ ﷺ کو: اَلسَّبَبُ فِی كُلِّ مَوْجُوْدٍ فرمایا۔ قرآن شریف میں حضور کی تعریف فرمائی: عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (سورۂ التوبہ: ۱۲۸) شاق ہیں اُن پر وہ چیزیں جو تمہیں مشقت میں ڈالیں، تم پر حریص ہیں نہایت رحمت والے رافت والے ہیں۔ یہ ہیں وہ اسباب جن کی وجہ سے غلامانِ مصطفٰے ﷺ دین و دنیا میں راحت و آرام پائیں گے۔ چنانچہ درود شریف: قضائے حوائج دفع بلا، مغفرت وشفا، حصول مراد، مفتاح خیر، منبع برکات اسی لیے ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب خیر جو کافر و منکر سے منقطع ہو جائیں گے؛ تو معلوم ہوا

مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہے اور سببِ ہر خیر اور سببِ دفعِ ہر شر وبلا اللہ کے محبوب ہیں۔ اسی سے یہ درود حاصل ہوا: یا مسبب الاسباب صلی علیٰ سبب کل خیر ودفع کل بلاء وشر وحصول کل مراد و وسیلۃ کل نعمۃ وآلہ وصحبہ واولیائہ وبارك وسلم اللھم اجعلھا قضاء لحاجتنا وکفایۃ عن مھماتنا وعافیۃ لابداننا وبرکۃ فی ارزاقنا وغنی عمن سواك۔

قرآن شریف کی آیتِ کریمہ ہے کہ مشرک کے ساتھ منافق کا بھی رد فرماتا ہے اور حمد کے ساتھ نعتِ نبی ﷺ کا بیان فرماتا ہے۔ اس کی مثال بہت ہیں۔ اختصار کے لیے صرف دو پر کفایت کرتا ہوں: اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۔ (الزمر: ۳) ہاں خالص اللہ کے لیے ہی عبادت ہے اور وہ جنھوں نے اللہ کے سوا اور والی بنا لیے، کہتے ہیں ہم تو انہیں (اپنے بتوں کو) اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔ اللہ فیصلہ فرمائے گا اس بات کا جس میں اختلاف کر رہے ہیں؛ بے شک اللہ ہدایت نہیں فرماتا جھوٹے بڑے ناشکرے کو۔

جس طرح یہ آیات مشرک کا رد کر رہی ہیں، ساتھ میں منافق کا بھی رد فرما رہی ہیں۔ مشرک کا یہ کہنا ہم اپنے معبودانِ باطل کی

پرستش و عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے مقرب کردیں۔ تو جو خود ہی مقرب نہیں ہیں وہ دوسرے کو اللہ کا مقرب کیا کردیں گے اور دوسرے یہ کہ کسی صحیح مقصد کے لیے بھی غیر خدا کی عبادت و پرستش درست نہیں تو یہ رد ہوا مشرک کا۔ اور یہ آیت: ان اللہ لایھدی من ھوکٰذب کفار۔ بے شک اللہ ہدایت نہیں فرماتا اُس کو جو جھوٹا اور بڑا ناشکرا ہے۔ یہ منافق کا رد ہے جو اللہ کی نعمت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے فیوض و برکات کا منکر ہے، وہ اللہ کے مقرب بندہ ہیں۔ پس دوسروں کو اُن کے وسیلے سے تقرب حاصل ہو گا۔ تو ناشکرے کو جھوٹا بھی کہا اور جھوٹ اُن کا ظاہر ہے قرآن شریف میں سورۂ منافقون میں: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ الیٰ آخر الآیۃ۔ اے محبوب آپ کی خدمت میں منافق آئیں گے تو کہیں گے بے شک آپ اللہ کے رسول میں اور اللہ جانتا ہے آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن منافق جھوٹے ہیں؛ اللہ گواہی دیتا ہے (اپنے قول محمد رسول اللہ میں)۔

تو اللہ جھوٹوں، ناشکروں کو ہدایت نہیں فرماتا۔ جو قبورِ اولیا و نبیّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کو شرک قرار دیتے ہیں اور اس آیت کو پیش کرتے ہیں: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ تو یہ ہیں کِذب کَفَّار جھوٹے، ناشکرے (ہماری نعمتوں کی قدر نہ کرنے والے) اور یہ نکتہ یاد رہے: اَوْلِيَاء اللّٰهِ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ نہیں (شیطان یعنی غیر خدا کے ولی نہیں۔ تو محبوبانِ خدا اور ان کی ارواح طیبہ اللہ کی نعمت ہیں جن کے وسیلے سے دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کا منکر وہ ہی جس کی طرف قرآن شریف نے اشارہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَكَاذِبٌ كَفَّارٌ۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ (سورۂ الزمر:۸):۔ اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو پکارتا ہے اُس کی طرف جھکا ہوا۔ پھر جب اللہ اُس تکلیف کو دور فرمادے نعمت کرنے کو اپنی طرف سے تو بھول جاتا ہے جس کے لیے پہلے پکارا تھا اور لگا اللہ کے اندار دو شریک ٹھہرانے تاکہ اُس کے راستے سے بہکادے۔ تم فرمادو برت لے اپنے کفر کو (ناشکری کو یا انکار کو) چند روز بے شک تو دوزخی ہے۔

تو کافر بمعنیٰ منکر۔ اللہ کے شریک ٹھہراتا ہے کسی اور نے اس کی حاجت روائی کردی اور منافق اللہ کی نعمت سے ناشکری کرتا ہے۔ جن کی وجہ سے دعا مقبول ہوتی ہے اور انہیں اللہ کا اندار بتاتا ہے کہ یہ اللہ کا شریک کرتا ہے تو کفر بمعنی ناشکری ہے۔ برت لے اپنی ناشکری کو چند دن۔ بے شک تو دوزخی ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَعَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖۗ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ (سورۂ الزمر: ۲۲ تا ۲۴)

تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ اُس جیسا ہو جائے جو سنگ دل ہے تو خرابی ہے اُن کی جن کے دل ذکر اللہ کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب اول سے آخر تک، ایک سی دوہرے بیان والی۔ (حمد و نعت شرک و نفاق خیر و شرک مضامین ساتھ ساتھ بیان کرنے والی)۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اُن کے جو اللہ سے ڈرتے ہیں (اللہ کے ساتھ شرک کرنے اور نبی کی توہین کرنے سے) پھر اُن کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں ذکر اللہ کی طرف۔ تو ذکر اللہ ہی کو لے لیجیے: یہ بھی مثانی ہے، دہرے بیان والا ذکر اللہ، اللہ کا ذکر۔ ظاہر ہے ذکر اللہ محمد رسول اللہ جیسا ہماری کتاب "ذکر اللہ" میں مذکور ہوا۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ذکر اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ تفصیل کے لیے ذکر اللہ کا مطالعہ کیجیے۔ ذکر اللہ کو حسبِ تفسیر حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نقل کردہ شفا قاضی عیاض رضی اللہ عنہ محمد رسول اللہ سمجھیں۔ اب ان آیات کو شروع سے پڑھیں اور ان کا ترجمہ سمجھیں اور شرحِ صدر کیا ہے اسے بخاری کی اس حدیث سے سمجھیں کہ جنگِ یمامہ میں بہت حافظِ قرآن شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے (اُن کے زمانۂ خلافت

میں) عرض کیا اگر اسی طرح حافظِ قرآن شہید ہوتے رہے تو ہم میں سے قرآن اٹھ جائے گا چاہیے کہ اُسے ایک کتاب میں جمع کرلیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیف افعل ما لم یفعل به رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا(جیسے اِس زمانے میں فاتحہ وسویم وذکرِ میلاد کے لیے کہا جاتا ہے) حضرت عمر نے فرمایا: لٰكِنَّهٗ وَاللهِ هُوَ خَيْرٌ كَمَا قَالَ لیکن وہ قسم خدا کی خیر ہے یعنی اگرچہ حضور نے جمع قرآن ایک کتاب میں نہ فرمایا۔ لیکن وہ خیر ہے: واللہ فَلَمْ يَزِلْ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اِلَيْهِ صَدْرِيْ بِمَا شَرَحَ بِهٖ صَدْرَ عُمَر او کما قال۔ پس برابر میری اُن کی یہی گفتگو لوٹ پھیر ہوتی رہی یہاں تک کہ اللہ نے میرا شرحِ صدر (سینہ کھولدینا) کردیا اُس چیز کے لیے کہ شرح صدر کیا اُس چیز کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کا۔ تو ثابت ہوا کہ جن کا شرحِ صدر نہ ہوا ہوتا ہے وہ یہ کہا کرتے ہیں۔ ہم کیسے کریں اُس کام کو جسے رسولِ خدا نے نہیں کیا؛ لیکن جس کا شرحِ صدر ہوجاتا ہے وہ رب کی طرف سے نور اور روشنی پر ہوتا ہے؛ وہ پہچان لیتا ہے کہ یہ نئی چیز دین کے موافق ہے یا مخالف، بدعت حسنہ ہے یا سیئہ اور اس کی تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ "بدعت وسنّت" مطالعہ کریں۔

اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ بَدَّ لُوْاْنِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا۔ کیا آپ نے نہ دیکھا انہیں جنھوں نے بدل دیا اللہ کی نعمت کو ناشکری سے؟ اللہ کی نعمت ہے: زیارتِ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ بیہقی نے ابن عمر سے روایت کی جسے مشکوٰۃ شریف نے نقل کیا: مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ عِنْدَ قَبْرِيْ كَاَنَّ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ ؎ جس نے میرے انتقال کے بعد میری قبر کے پاس مجھ سے ملاقات وزیارت کی وہ اس کے مثل ہی جس نے مجھ سے ملاقات کی میری حیات شریف میں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: اس سے حیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے۔

مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی، اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی اور دوسری حدیث جسے ہم نے الدرر السنیہ میں لکھا جو میری خدمت میں حاضر ہوا اور اُسے صرف میری زیارت کے سوا اور کچھ مقصد نہ تھا تو اُس کا حق میرے اوپر یہ ہے کہ میں اُس کا شفیع اور شہید ہوں قیامت کے دن۔ تو یہ ہیں اللہ کی نعمتیں اس کا انکار کرتے ہیں۔ تو یہ ہیں وہ جن کے متعلق اللہ نے فرمایا: اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ بَدَّ لُوْاْنِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا۔ مراقی الفلاح اور اُس پر حاشیہ طحطاوی میں ہے (معتبر کتابِ فقہِ حنفی کی) کہ جب مؤذّن اشہد اَن محمداً رسول اللہ کہے تو اپنی انگلیاں آنکھوں پر رکھ کر کہے: قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ ہیں یارسول اللہ۔ تو حدیثِ مرفوع سے ثابت ہے کہ نابینائی چشم سے محفوظ رہے گا۔ تو یہ ہے اللہ کی نعمت۔ اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْاْنِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا۔ ترمذی کی صحیح حدیث ہے متعدد طرق سے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ائمۂ حدیث نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ کہ ایک نابینا نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی: یا رسول اللہ میرے لیے دعا فرمایئے حضور علیہ السلام نے یہ دعا تعلیم فرمائی۔ مسجد میں جاکر اچھا وضو کرو، دو رکعت پڑھو پھر یہ دعا مانگو: اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بحبیبك محمد نبی الرحمة یا محمد اتوجه بك الی ربی لیقضی لی حاجتی اللھم فشفعه فیّ۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بوسیلہ تیرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یارسول اللہ (حدیث میں یا محمد ہے) میں متوجہ ہوتا ہوں اپنے رب کی طرف آپ کے وسیلہ وذریعہ سے تاکہ میری حاجت روائی کردی جائے۔ اے اللہ ان کو میرا شفیع بنا۔ تو وہ نابینا مسجد سے لوٹے اس حال میں کہ بینا ہوگئے تھے؛ اس لیے کہ دعا میں توسل تھا اور ندا یارسول اللہ اور اس دعا کو صحابۂ کرام حضور کی وفات کے بعد بھی تعلیم کرتے تھے جیسا کہ حدیثِ عثمان بن حنیف سے ثابت ہے تو یہ ہے اللہ کی نعمت۔ تو: الم ترالی الذین بدلوانعمة اللہ کفرًا۔ توسل کے منکر ہو رہے ہیں۔ مشکوٰۃ بابِ زیارتِ قبور۔ شرح اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ قبرِ موسیٰ کاظم تریاق مجرب است برائے اجابت دعا۔ کہ قبر حضرت موسیٰ کاظم کی (کاظمین میں) تریاق مجرب ہے قبولیت دعا کے لیے۔ تو یہ تھی اللہ کی نعمت کہ قبورِ اولیاء پر جاکر اللہ سے دعا کریں اور اللہ کی نعمت ہیں اولیاء کہ ان کی برکت وموافقت دعا سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور نامرادوں کو مرادیں ملتی ہیں: اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْاْنِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ماثبت السنۃ میں تحریر فرمایا کہ: محفلِ میلاد تمام شہروں میں اہلِ اسلام قدیم سے کرتے آئے ہیں اور جہاں محفلِ میلاد ہوتی ہے وہاں سال بھر امان رہتا ہے اور ابو لہب کا ذکر حدیث میں آیا کہ اُسے خواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا پوچھا کس حال میں ہو بولا سخت عذاب میں ہوں مگر ہر پیر کے دن عذاب تخفیف کر دیا جاتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کی پیدائش کی خبر لے کر اس کی باندی ثویبہ آئی تو ابو لہب بہت خوش ہوا اور انگلیوں کے اشارے سے اُسے آزاد کر دیا تو ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب ایسے کافر کو ولادتِ رسول کی خوشی پر صدقہ کرنے سے پیر کے دن عذاب میں تخفیف ہوئی تو مومنوں کو اس روز کی فرحت اور صدقات پر کیا کچھ انعام نہ ہوگا۔ یہ حضرت شیخ نے کہا تو یہ ہی اللہ کی نعمت۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ۔(سورۂ ابراہیم:۲۸)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ (سورۂ البقرہ:۸۹)۔ اور جب اُن کے پاس وہ کتاب (قرآن) آئی اللہ کے پاس سے جو تصدیق کرتی ہے اُن کے ساتھ والی کتاب (تورات) کی اور اس سے پہلے اور اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ تو جب تشریف لائے وہ (نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم) جانے پہچانے ہوئے تو منکر ہو بیٹھے۔ تو اللہ کی لعنت کافروں پر (منکروں پر، ناشکروں پر) قرآن کریم کے نزول سے قبل یہود اپنی حاجتوں کے لیے حضور کے نامِ پاک کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے اس طرح دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ یارب! ہمیں صدقے میں نبیِ اُمّی کے فتح و نصرت عطا فرما۔ تو یہ یہود کے اتباع اب وسیلے کے منکر ہو بیٹھے الم ترالی الذین بدلوانعمۃ اللہ کفرا۔ حضور فرماتے ہیں لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعًا لما جئت بہ کوئی شخص تم میں سے مومن نہ ہوگا یہاں تک کہ اس کی ہَوَا خواہش نفس، تابع نہ ہو اس کی جسے میں لایا۔ تو متابعت ہواءِ نفس کرتی ہے اور (وہ) صحیح احادیث اور آیات و اتباعِ سلف سے منھ پھیر لیتے ہیں۔ اور توسل کے لیے آیات و احادیث بہت ہیں خصوصاً توسل آدم علیہ السلام کے بارے میں ہماری کتاب الدرر السنیہ و قصیدۂ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع تشریح

آیات متشابہات مطالعہ کریں۔ اور یہی مسئلہ اہم ہے اور نہایت قابل توجہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ شریف میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب لوگ پلِ صراط سے گزریں گے تو پھسلیں گے تو کہیں گے وامحمداہ جس کا ترجمہ ہوا یارسول اللہ المدد "وا" حرف ندا اور استغاثے کا (ہے)۔ تو انہیں پکڑ لیا جائے گا، گرنے نہ دیا جائے گا۔ اور قرآنِ شریف میں اللہ نے فرمایا ویثبت اللہ الذین اٰمنو ابالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ۔ اور اللہ تعالیٰ قائم رکھتا ہے ایمان داروں کو قولِ ثابت پر دنیا و آخرت میں۔ تو قولِ ثابت وہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔ لا الٰہ لا اللہ محمد رسول اللہ قول ثابت ہے جس طرح یہاں کہتے ہیں ویسے ہی عند الموت اور بعد الموت آخرت میں کہیں گے اور کلمۂ کفر کلمۂ غیر ثابت ہے۔ آج اُسے کہتے ہیں کل نہ کہیں گے تو جو آج لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں کل اسے کہہ سکیں گے اور نفع پائیں گے اور جو آج اس کے منکر ہیں کا اس پر ایمان لانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ تو ہم روزِ قیامت وامحمداہ کہیں گے تو یہ جب کر سکیں گے جب ہم دنیا میں عملاً و اعتقاداً اس کے منکر نہ ہوئے اور جو اس کا منکر ہے کل کس طرح کہہ سکے گا؟ تو یارسول اللہ المدد کلمۂ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ قائم رکھتا ہے ایمان داروں کو قولِ ثابت پر دنیا و آخرت میں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ تو یہ اللہ کی نعمت ہے۔ الم ترالی الذین بدلوانعمۃ اللہ کفرا۔ نعوذ باللہ منھم جمیعاً۔ اللھم لک الحمد علی ما انعمت واغفر لنا ولا تعاقبنا بالسلب بعد العطاء۔

اور خاتمۂ کتاب پر عرض کرتا ہوں کہ اللہ کی نعمت درود شریف ہے اسے کثرت سے پڑھا کر۔۔۔۔ ہر نماز کے بعد سو مرتبہ یا دو سو یا زائد۔ اور جمعہ کے دن عصر تا مغرب اور شبِ براءت، شبِ معراج اور لیلۃ القدر میں ہزار ہزار مرتبہ اور حاجت کے وقت انشاء اللہ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ہی اللہ کی نعمتِ دین و دنیا کی بیشمار نعمتیں حاصل ہوں گی اور اس کے لیے ہمارا رسالہ عنقریب شائع ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس میں درود کے فوائد معتبر کتب و مدارج النبوۃ سے نقل ہوں گے۔

فقیر محمد ابراہیم رضا عفی عنہ

خادم طلباء و علماء و اولیاء و درجہ حدیث دارالعلوم منظرِ اسلام،
محلہ سوداگراں، بریلی و سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ رضویہ، بریلی شریف۔

جشنِ میلاد کی شرعی حیثیت

افادات: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا
ترتیب: پروفیسر سیّد عبد الرحمٰن بخاری (موسس، اُمّہ فاؤنڈیشن، لاہور)

محفل میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے جواز کے بارے میں منکرین عام طور پر جس قسم کے شبہات اور اعتراض دہراتے رہتے ہیں ان کی کوئی ٹھوس، علمی اور واقعی حیثیت نہیں ہے۔ چونکہ انکارِ میلاد کی کوئی حقیقی دلیل بھی ان کے پاس موجود نہیں؛ لہٰذا یہی اعتراضات وہ اپنے دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ منکرین کے بڑے بڑے شبہات اور ان کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

اعتراض ۱:

تاریخ ولادت ۹ ربیع الاوّل، عید میلاد ۱۲ تاریخ کیوں؟

عام طور پر ۱۲ ربیع الاول کو حضورِ اقدس ﷺ کی تاریخ پیدائش مان کر اس دن ولادت کی خوشی منائی جاتی ہے جبکہ مشہور ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کی تاریخ ۹ ربیع الاول ہے۔ عام فیل کے حساب سے ۹ ربیع الاول ہی نکلتی ہے؛ اس لیے ۱۲ ربیع الاول کو جو روز وفات ہے عید میلاد کرنی ممنوع ہے۔ قاضی سلمان منصور پوری کی کتاب میں بھی ۹ ربیع الاوّل تاریخ ولادت بحساب سال فیل تحریر ہے، اور شبلی نعمانی نے بھی یہی لکھا ہے؛ سو جب اصل تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ہے تو عید میلاد ۹ تاریخ ہی کو ہونی چاہیے۔ پھر یہ ۱۲ ربیع الاول کو کیوں منائی جاتی ہے؟

جواب: شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لیے عظیم وقعت و اعتبار ہے اور مشہور عند الجمہور ۱۲ ربیع الاول ہی ہے۔ علم ہیأت وزیجات کے حساب سے روز ولادت شریف ۸ ربیع الاول ہے، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ میں تحقیق کی ہے۔ یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹ ربیع الاول لکھی کسی حساب سے صحیح نہیں۔ تعاملِ مسلمین حرمین شریف، مصر و شام اور دیگر بلادِ اسلام و ہندوستان میں ۱۲ ہی پر ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے۔ روز ولادت شریف اگر آٹھ یا نو یا کوئی تاریخ ہو جب بھی ۱۲ ربیع الاوّل کو عید میلاد منانے سے کون سی ممانعت ہے۔ جو وجہ اس معترض نے بیان کی وہ خود جہالت ہے۔

اگر مشہور کا اعتبار کرنا ہے تو ولادت شریف اور وفات شریف دونوں کی تاریخ بارہ ہے۔ ہمیں شریعت نے نعمت الٰہی کا چرچا کرنے اور غم پر صبر کرنے کا حکم دیا؛ لہٰذا اس تاریخ کو روز ماتم وفات نہ ٹھہرایا بلکہ روز فرحت و سرور میلاد گردانا، جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں ہے۔ اور اگر ہیأت و زیج کا حساب لینا ہے تو تاریخ وفات شریف بھی بارہ نہیں بلکہ تیرہ ربیع الاول ہے جیسا کہ ہم نے فتاوی میں ثابت کیا ہے۔ بہر حال معترض کا اعتراض بے معنی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، ص ۱۹۸)

اعتراض ۲:

میلاد شریف کب اور کس نے نکالا؟

میلاد شریف کب سے نکلا اور کس نے نکالا؟ صحابہ کے زمانے میں تھا یا نہیں۔ کسی نے محفل میلاد کی تھی یا نہیں؟

جواب: بیان میلاد شریف خود قرآن مجید نے نکالا اور اس نے متعدد آیتوں میں اس کا حکم دیا۔ غرض مقصود سے ہے، نام نیا ہونے سے شئے نئی نہیں ہو سکتی۔ جو اس سے مقصود ہے وہ خود حضور اقدس علیہ افضل الصلاۃ والسلام نے کیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے: حضور اقدس ﷺ مسجد مدینہ طیبہ میں حضرت حسان بن ثابت انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے منبر بچھاتے اور وہ اس پر قیام کر کے نعت شریف سناتے حضور اقدس ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنتے۔ (فتاوی رضویہ، جلد ۹، قدیم ۸۸)

اعتراض ۳:

محفل میلاد موجودہ ہیئت میں کس دلیل سے ثابت ہے؟

محفل میلاد اپنی موجودہ صورت اور ہیئت کذائی میں قرآن و حدیث یا قرون ثلاثہ کی کسی معین دلیل سے ثابت نہیں ہے، کوئی ایسا ثبوت ہے تو پیش کرو۔

جواب: مجلس مبارک و قیام اہل محبت کے نزدیک تو اصلاً محتاج دلیل نہیں۔ اہل حجت میں سے جو انصاف پر آئیں، قرآن عظیم قول فیصل و حاکم عدل ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: (قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا) (یونس، ۵۸) تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی

رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔ اور فرماتا ہے:(وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللّٰهِ) (ابراہیم،۵) اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ اور فرماتا ہے: (وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) (الضحیٰ،۱۱) اور اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو۔ اور فرماتا ہے: (إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ) (الفتح، ۸۔۹) اے نبی ﷺ! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ اور فرماتا ہے: (فَالَّذِينَ ءَامَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِیٓ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) (الاعراف، ۱۵۷) پس وہ جو اس (رسول کریم ﷺ) پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا تو وہی بامراد ہوئے۔ اور فرماتا ہے: (لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِی وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِی مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ) (المائدۃ، ۱۲) اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرضِ حسن دو، تو بے شک میں تمہارے گناہ اتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں۔ پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا۔

پہلی تین آیتوں میں حکم فرماتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشیاں مناؤ۔ لوگوں کو اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ اللہ کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ اب دیکھیے اللہ کا کون سا فضل ورحمت، کون سی نعمت اس حبیب کریم ﷺ کی ولادت سے بڑھ کر ہے۔ تمام نعمتیں، تمام رحمتیں، تمام برکتیں اسی کے صدقے میں عطا ہوئیں۔ اللہ کا کون سا دن اس نبی اکرم ﷺ کے ظہور پر نور کے دن سے بڑا ہے؛ تو بلاشبہ قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے کہ ولادت اقدس پر خوشی کرو۔ مسلمانوں کے سامنے اس کا چرچا خوب زور شور سے کرو۔ اسی کا نام مجلس میلاد ہے۔

بعد کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں خصوصاً سید الرسل ﷺ کی تعظیم کا مطلق حکم دیتا ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے: (المطلق یجری علی اطلاقہ) یعنی جو بات اللہ نے مطلق ارشاد فرمائی وہ مطلق حکم عطا کرے گی اور جو کچھ اس مطلق کے تحت داخل ہے سب کو وہ حکم شامل ہے۔ جو کوئی بلا تخصیص شرع اپنی طرف سے کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرے گا وہ کتاب اللہ کو منسوخ کرتا ہے۔ جب ہمیں تعظیم حضور اقدس ﷺ کا حکم مطلق فرمایا تو جمیع طُرق تعظیم کی اجازت ہوئی، جب تک کسی خاص طریقے سے شریعت منع نہ فرمائے۔ یوہی رحمت پر خوش ہونا، ایامِ الٰہی کا تذکرہ، نعمتِ ربانی کا چرچا یہ بھی مطلق ہیں۔ جس جس طریقہ سے کئے جائیں سب امتثال امر الٰہی ہیں، جب تک شرع مطہر کسی خاص طریقہ سے منع نہ فرمائے۔

پس یہ امر روشن ہوا کہ مجلس میلاد و قیام کے بارے میں کوئی خاص دلیل نام لے کر مانگنا یا بعینہٖ ان کا قرونِ ثلٰثہ میں وجود تلاش کرنا نری اوندھی مت ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کو اپنی رائے سے منسوخ کرنا ہے۔ اللہ عزوجل تو حکم مطلق فرمائے اور منکرین کہیں کہ وہ مطلق کہا کرے ہم تو خاص وہ صورت جائز مانیں گے جسے بالتخصیص نام لے کر جائز کیا ہو یا جس کا بہیئت کذائی قرون ثلٰثہ میں وجود ہوا ہو۔

معترضین عقل رکھتے تو جو طریقہ بھی اظہار فرحت، تذکرۂ نعمت اور تعظیم سرکار ﷺ کا دیکھتے اس میں یہ تلاش کرتے کہ کہیں خاص اس صورت کو اللہ و رسول نے منع تو نہیں فرمایا۔ اگر اس کی خاص ممانعت نہ پاتے تو یقین جانتے کہ یہ انہی احکام الٰہی کی بجاآوری ہے جو ان آیات کریمہ میں گزرے؛ مگر آدمی دل سے مجبور ہے۔ محبوب کا چرچا محبّ کا چین ہے اور اس کی تعظیم آنکھوں کی ٹھنڈک؛ لیکن جس کے دل میں غیظ بھرا ہوا ہو وہ خود ہی ذکر سے جلے گا اور تعظیم سے بگڑے گا۔ دوست دشمن کی یہ بڑی پہچان ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ص ۵۳۲)

اعتراض ۴:

میلاد بدعتِ سیۂ ہے۔ قرون ثلاثہ کے بعد شروع ہوا۔

میلاد منانا بدعت سیئہ ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرون ثلاثہ میں مطلق نہیں پایا جاتا؛ اور جو چیز قرون ثلاثہ کے بعد شروع کی گئی ہو وہ ماننے کے قابل نہیں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، قدیم، ص ۸۰)

جواب: محفل میلاد کا اہتمام بلاشبہ مستحب ہے۔ قرآن و حدیث کے مطلق نصوص اور علمائے اعلام کی تصریحات سے ہم اس پر تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں؛ مگر منکرین میلاد کی ہٹ دھرمی اور کم فہمی کا کیا علاج۔ قرون ثلاثہ کی بحث کا روشن بیان بھی پیچھے ثبوت میلاد کی بحث میں گزر چکا ہے۔ اب یہ وہابیہ ذرا خود ہی سوچ لیں کہ مدرسہ دیوبند بایں

قوانین مخترعہ قرون ثلثہ تو درکنار قرون اثنا عشر کے بعد قائم ہوا۔ پھر چاہیے کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجائیں؛ لیکن نہیں! یہ مسئلہ تو صرف انھی چیزوں کے حرام کرنے کو نکالا ہے جن میں تعظیم و محبت حضور سیّد عالم ﷺ ہے۔

اعتراض ۵:

جوازِ میلاد میں اقوالِ علما کافی نہیں، شرعی نصوص درکار ہیں

مجلس میلاد و قیام کے حق میں علما کے اقوال سے استدلال کرنا شرعی جواز کے لیے کافی نہیں ہے۔ علما کے اقوال یا افعال از خود کسی چیز کے جواز کی دلیل نہیں بنتے۔ جواز کے لیے شرعی ثبوت درکار ہے۔

جواب: اللہ عزوجل نے ہمارے لیے ہمارا دین کامل فرمادیا اور حبیب اکرم ﷺ کے صدقہ میں اپنی نعمت ہم پر تمام فرمادی۔ ہماری شریعت مطہرہ کا کوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں؛ مگر قرآن عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکال لینا عام لوگوں کے لیے ناممکن ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے۔ پہلا قانون یہ ہے: (وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا) (الحشر، ۷) (جو کچھ تمہیں رسول اللہ دیں وہ لو اور جس سے وہ منع فرمائیں باز رہو)

معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اگرچہ سب کچھ ہے، مگر امت حضور ﷺ کے سمجھائے بغیر سمجھ نہیں سکتی۔ اس لیے فرمایا: (وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ) (النحل، ۴۴) اے محبوب ﷺ! ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ تم لوگوں کے لیے بیان فرمادو جو کچھ ان کی طرف اترا ہے۔ اور دوسرا قانون یوں بیان فرمایا: (فَسْئَلُوْٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ) (النحل، ۴۳) علم والوں سے پوچھو جو کچھ تمہیں نہ معلوم ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ۴۹۹)

ہر شخص جانتا ہے کہ زندگی کے حوادث غیر متناہی ہیں۔ پس اگر احادیث میں ہر جزئیہ کے لیے نام بنام تصریح احکام فرمائی بھی جاتی تب بھی ان کا حفظ و ضبط نامقدور ہوتا۔ پھر جو مدارج عالیہ مجتہدان امت کے لیے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے وہ نہ ملتے۔ نیز اختلاف ائمہ کی رحمت و وسعت نصیب نہ ہوتی۔ لہٰذا حدیث نے بھی عام جزئیات کے احکام نہیں دیے بلکہ ایسے کلیات عطا فرمائے جو لامحدود مسائل کے حل پر مشتمل ہیں۔ اب ان احکامات کی تفصیل و تفریع مجتہدین کرام نے فرمائی۔ چونکہ ان کی تصریحات بھی متناہی حوادث کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں اس لیے ہر زمانہ کے حوادث تازہ کے احکام اس زمانہ کے فقہاء عظام و علمائے کرام بیان فرماتے چلے آئے اور یہ سب بالآخر اپنی اصل ہی کی طرف راجع قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ "درمختار" میں ہے: (ولا يخلو الوجود عمن يميز هذا حقيقة لا ظنا وعلى من لم يميزان يرجع لمن يميز براءة لذمته) (زمانہ ان لوگوں سے خالی نہ ہوگا جو یقینی طور پر، نہ کہ محض گمان سے فقہی احکام کو آشکار کرتے رہیں گے۔ اب جو نہ جانتا ہو اس پر واجب ہے کہ علم والوں کی طرف رجوع کرے تاکہ بری الذمہ ہو)۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں: (مافصل عالم اجمل فی کلام من قبله من الادوار الاللنور المتصل من الشارع ﷺ۔ فالمنة فی ذلك حقيقة لرسول الله ﷺ۔ هو صاحب الشرع لانه هو الذی اعطی العلماء تلك المادة التی فصلوا بها ما اجمل فی كلامه كما ان المنة بعده لكل دور علی من تحته فلو قدر ان اهل دور تعدوا من فوقهم الی الدور الذی قبله لانقطعت صلتهم بالشارع ولم يهتدوا لايضاح مشكل ولا تفصيل مجمل۔ تأمل يا اخی لولا ان رسول الله ﷺ فصل الشريعة ما اجمل فی القرآن لبقی القرآن علی اجماله كما ان الائمة المجتهدين لولم يفصلوا ما اجمل فی السنة لبقيت السنة علی اجمالها و هكذا الی عصرنا هذا۔ فلولا ان حقيقة الاجمال سارية فی العالم كله ماشرحت الكتب ولا ترجمت ولا وضع العلماء علی الشروح حواشی كالشروح للشروح)

(یعنی جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانہ کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ نسبت اُسی نور سے ہے جو صاحب شریعت ﷺ سے اسے ملا ہے؛ تو حقیقۃً اس میں رسول اللہ ﷺ ہی کا تمام امت پر احسان ہے کہ آپ ﷺ ہی نے علما کو یہ استعداد عطا فرمائی جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔ یونہی ہر طبقۂ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے تو شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے وہ کٹ جائے گا اور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفصیل پر قادر نہ ہوں گے)

برادرم غور کرو اگر رسول اللہ ﷺ اپنی شریعت سے مجملات

قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے تو قرآن کریم یونہی مجمل رہ جاتا۔ نیز ائمہ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے تو حدیث یونہی مجمل رہ جاتی۔ اسی طرح ہمارے زمانے تک۔ پس اگر بات یہ نہ ہوتی کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کیے ہوئے ہے تو نہ متون کی شرحیں لکھی جاتیں، نہ ترجمے ہوتے اور نہ علما شرحوں کی شرحیں لکھتے۔

اب واقع عملی دیکھیے کہ ہر زمانے میں فقہی احکام و مسائل کی کتابیں تصنیف ہوتی رہیں۔ ہر آنے والے طبقہ نے گزشتہ پر اضافے کیے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن وسنت کی تفصیل ہے۔ کتب جدیدہ میں بہت سی جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں ہیں کیونکہ اس وقت تک ظاہر ہی نہ ہوئے تھے۔ پھر کتب نوازل و واقعات کا تو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ و تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یا خاص امام اعظم وصاحبین سے نص لاؤ تو وہ یا احمق مجنون ہے یا گمراہ مفتون؛ یہاں تک کہ اب بالکل قریب زمانہ کی کتب فقہ و فتاوی پر بھی تمام حنفی دنیا میں اعتماد ہو رہا ہے۔ منکرین میلاد بھی ان کتابوں سے سندیں لاتے ہیں اور ان میں سینکڑوں ایسے احکام ملیں گے جو پہلے موجود نہ تھے، بلکہ یہ لوگ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مائۃ مسائل، اربعین تک پر اعتماد کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا مائۃ مسائل و اربعین کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین کے ہاں کہیں دکھا سکتے ہیں۔ اب ان کے بھی بعد ریل، تار برقی، نوٹ، منی آرڈر، فونوگراف وغیرہ ایجاد ہوئے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ، تابعین یا ائمہ اربعہ کے ہاں ان کے احکام دکھاؤ تو اسے مجنوں کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جدا ہے کہ منکرین میلاد خود تو تیرھویں صدی کی کتاب اربعین تک معتمد جانیں لیکن دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ و تابعین کی سند مانگیں۔ دیکھیے خطبہ جمعۂ وعیدین میں ذکر عمین شریفین ایک نو پیدا عمل ہے، مگر جب سے یہ شروع ہوا علما نے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی۔ درمختار میں ہے: (یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین) خطبہ میں خلفائے راشدین اور حضور ﷺ کے عمین کریمین کا ذکر کرنا مستحب ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی نے تو ایک واعظ پر اپنے مکتوبات میں صرف اس لیے کہ اس نے خطبہ میں خلفائے کرام کا ذکر نہ کیا تھا، سخت نکیر فرمائی اور اسے خبیث تک لکھا۔ اسی طرح اذان کے بعد حضور سیّدِ عالم ﷺ پر صلاۃ وسلام عرض کرنا جس طرح حرمین طیبین میں رائج ہے اس کے متعلق در مختار میں لکھا ہے: (التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاخر سنة سبع مائة واحدی وثمانین فی عشاء لیلة الاثنین ثم یوم الجمعة ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیها مرتین وهو بدعة حسنة) اذان کے بعد صلاۃ بھیجنا ربیع الآخر ۷۸۱ھ کی عشاء شب دوشنبہ میں حادث ہوا۔ پھر اذان جمعہ کے بعد بھی صلاۃ کہی گئی۔ پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد، پھر مغرب میں بھی دوبار کہنی شروع ہوئی اور یہ نو پیدا باتوں سے ہے جو شرعاً مستحب ہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد ۲۶، ص ۵۰۳)

کتب فقہ میں ایسے اور بھی صدہا نظائر ملیں گے۔ مجلس میلاد و قیام کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے مگر صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین کے کلام میں ان کے نام کی تصریح مانگنی اسی جنون پر مبنی ہوگی۔ ان چیزوں پر انہی علمائے کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا جن کے زمانے میں ان کا وجود تھا، جیسے مجلس مبارک کے لیے امام ابن حجر عسقلانی، امام جلال الدین سیوطی، امام احمد قسطلانی وغیرہ ان علمائے کرام کی سند لی جائے گی جن کے زمانے میں یہ عمل جاری تھا۔ وباللہ التوفیق۔

اعتراض ۶:

انجمن اہل حدیث کا اعلان۔ مروجہ میلاد کے ثبوت پر انعام

انجمن اہل حدیث امرتسر کی طرف سے محفل میلاد کے بارے میں یہ اشتہار اور انعام کا اعلان شائع کیا گیا:

"ثبوت مولود شریف پر سو روپیہ انعام

آج کل جس رسم مجلس مولود کا رواج ہے ہمارے علم میں یہ بے ثبوت بات ہے۔ اس کے ثبوت دینے پر انجمن ہٰذا کی طرف سے یکم ربیع الاول کو ایک اشتہار انعامی دس روپیہ شائع ہو چکا مگر میاں فیروز الدین سوداگر آنریری مجسٹریٹ فرماتے ہیں کہ یہ انعام کم ہے۔ اس مسئلے کا فیصلہ ہونا ضروری ہے، اس لیے میاں صاحب موصوف مروجہ مولود کا ثبوت قرآن یا حدیث یا فقہ میں سے دینے والے کو یک صد روپیہ انعام دینے کا اعلان کرنے کی ہم کو اجازت دیتے ہیں۔

امید ہے حامیان مولود شریف ضرور توجہ کرکے انعام مرقومہ

کے علاوہ ثواب دارین بھی حاصل کریں گے۔

نوٹ: واضح رہے کہ ایچ پیچ کا کام نہیں صرف حوالہ کتاب مع عبارت شائع کر دینا کافی ہے جس میں لکھا ہو کہ ربیع الاول کے مہینہ میں مجلس مولود کیا کرو۔ مجلس مولود کرنا ثواب ہے ہماری طرف سے اجازت ہے کہ اِمامانِ دین میں سے کسی ایک امام کا قول دکھادیں جو کسی مستند کتاب میں ہو۔ اگر اتنا بھی ثبوت نہیں تو پھر ایسی بے ثبوت بات کو چھوڑنے میں ذرا دیر نہ کریں، ورنہ خدا کے سامنے جواب دہی ہوگی۔ والسلام

منجانب: محمد ابراہیم شال مرچنٹ نائب سیکرٹری انجمن اہل حدیث امرتسر۔ ۱۳/دسمبر۔''

جواب:

وہابیہ کو دو سو روپے انعام

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) (الضحیٰ،۱۱)

(یعنی اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو)

اگر وہابیہ ثبوت دے دیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت نعمت نہیں یا مجلس میلاد مبارک اس نعمت کا چرچا نہیں، تو ۴۰روپے انعام۔

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللهِ) (ابراہیم،۵)

(اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ)

اگر وہابیہ ثبوت دیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا دن اللہ کے عظمت والے دنوں میں نہیں ہے یا مجلس میلاد اس دن کا یاد دلانا نہیں، تو ۴۰روپے انعام۔

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا) (یونس،۵۸)

(یعنی تم فرما دو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی پر لازم ہے کہ خوشیاں مناؤ) اگر وہابیہ ثبوت دیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہیں یا مجلس میلاد اس فضل و رحمت کی خوشی نہیں، تو ۴۰روپیہ انعام۔

۴۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا) (الحشر،۷)

(یعنی جو رسول ﷺ تمہیں دیں وہ لو اور جس سے وہ منع کریں اس سے باز رہو) اگر وہابیہ ثبوت دیں کہ قرآن مجید یا حدیث شریف میں کہیں مجلس میلاد مبارک کو منع فرمایا ہے، تو ۴۰روپیہ انعام۔

ضروری اطلاع:

واضح رہے کہ ایچ پیچ کا کام نہیں۔ صرف وہ آیت یا مع حوالہ کتاب و صحیح اسناد وہ حدیث شائع کر دینا کافی ہے جس میں لکھا ہو کہ ربیع الاول کے مہینے میں مجلس میلاد نہ کیا کرو۔ مجلس میلاد کرنا عذاب ہے؛ بلکہ ہماری طرف سے اجازت ہے کہ چاروں اماموں یا صحاح ستہ کے چھ مصنفوں میں سے کسی ایک امام ہی کا قول مذکور دکھادیں جو کسی مستند کتاب میں ہو۔ اگر منع کا اتنا ثبوت بھی نہیں تو پھر ایسے بے ثبوت منع کو چھوڑنے میں ذرا دیر نہ کریں ورنہ خدا کے سامنے جواب دہی ہوگی۔

۵۔ اہل حدیث کی کانفرنس، اس میں سیکرٹری وغیرہ بننا، اس کے بڑے سالانہ جلسے، ان کی ہیئت کذائی، اہل حدیث کا اخبار چھاپنا، اس کی قیمت لینا، رد ائمہ میں کتابیں چھاپنا، ہیئت مروجہ پر مدرسے بنانا، تنخواہ دار مدرسین رکھنا، سہ ماہی ششماہی سالانہ امتحان ہونا، ان میں پاس کے نمبر ٹھہرانا، کسی مسئلہ کا ثبوت مانگنے پر اشتہار چھاپنا اس پر درس کا نصاب معین کرنا اور انعام ٹھہرانا ان سب باتوں کا اگر وہابیہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ، تابعین یا چار ائمہ یا چھ مصنفین صحاح سے ثبوت دے دیں تو ۴۰روپیہ انعام؛ لیکن اگر ثبوت نہ دے سکیں تو پھر ایسی بے ثبوت باتوں کے چھوڑنے میں ذرا دیر نہ کریں، ورنہ خدا کے سامنے جواب دہی ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد۹، قدیم ص۴۴۔۴۵)

اعتراض۷:

میلاد کی محفل میں قیام کرنا بہر صورت بے ادبی ہے

میلاد کی محفل میں بوقت بیان ولادت شریف قیام کیا جاتا ہے۔ یہ قیام کرنا کیسا ہے؟ کیا اسی وقت حضور پر نور ﷺ کی پیدائش ہوتی ہے جو یہ تعظیمی قیام کیا جاتا ہے یا یہ کہ اسی وقت محفل میں آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو کس مقام مجلس میں آپ ﷺ متجلی ہوتے ہیں۔ اگر حاضرین محفل میں آپ ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں تو یہ اور بے ادبی ہے کہ میلاد خواں منبر پر اور آپ ﷺ فرش زمین پر۔ اور اگر آپ منبر پر جلوہ فگن ہوتے ہیں تو یہ بھی بے ادبی ہوئی کہ برابری کا مرتبہ ظاہر ہوتا ہے لہٰذا بہر نوع قیام کرنا بے ادبی ہے۔

جواب:

یہ قیامِ ذکرِ تشریف آوری کی تعظیم ہے۔ دل میں عظمت ہو تو جانیں کہ تعظیم ذکر شریف مانند تعظیمِ ذاتِ اقدس ہے، جیسا کہ امام القاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفا میں اور امام احمد القسطلانی نے "مواہب لدنیہ" میں کہا ہے۔ دل کے اندھے اسے بھلا کر خود ذات کریم ﷺ کی تشریف آوری ڈھونڈتے ہیں اور بے ادب گستاخ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ کیا اسی وقت حضور ﷺ کی پیدائش ہوتی ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر مجلس مبارک میں تشریف آوری ضرور ہوتی ہے؛ ہاں ہوتی ہے۔ اولیاواکابر نے بارہا مشاہدہ کیا ہے جیسا کہ بہجۃ الاسرار مؤلفہ امام اوحد ابوالحسن لخمی شطنونی، تنویر الحوالک مؤلفہ امام جلال الدین سیوطی اور تصانیف امام شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ میں مذکور ہے۔

پھر اس پر یہ بے ہودہ اعتراض کہ فرش پر تشریف رکھتے ہیں یا منبر پر محض جہالت ہے۔ ایسا جاہلانہ سوال ان تمام تشریف آوریوں پر ہوگا جن کا ذکر ائمہ و اکابر نے فرمایا۔ خود ظاہری حیات اقدس میں تشریف آوری اور تشریف فرمائی کس طرح ہوتی تھی۔ صحیح بخاری شریف کی اس حدیث کو کیا کروگے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد نبوی میں حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے منبر بچھاتے اور وہ اس پر قیام کر کے نعت اقدس سناتے۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ کہاں تشریف رکھتے تھے۔ فرش پر، حسان رضی اللہ عنہ سے نیچے یا منبر پر حسان رضی اللہ عنہ کے برابر۔ جو جواب معترض وہاں دے، ویسا بلکہ اس سے اعلیٰ جواب یہاں موجود ہے کیونکہ یہ جلوہ فرمائی چشم ظاہر سے غیر مشہود ہے اور نور کی جلوہ افروزی فرش وغیرہ سے جدا (معہود سے برتر) ہے۔ علامہ علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں: (ان روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الا سلام) رسول اللہ ﷺ کی روح پاک تمام مسلمانوں کے گھروں میں تشریف فرما ہے۔ ذرا سوچیے یہ تشریف فرمائی زمین پر ہے کہ چھت والے اونچے ہوں، یا چھت پر ہے کہ دو منزلہ والے بلند ٹھہریں۔ پھر جن کے چھت نہیں، ایک نیچا چھپر ہے اور اس کے گرد بلند مکان، اس گھر میں تشریف فرمائی کس طرح ہے۔ خود اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتا ہے: (نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ) (ق، ۱۶) (ہم آدمی سے اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں) اب ایک شخص لیٹا، دوسرا بیٹھا، تیسرا کھڑا، چوتھا سامنے چھت پر ہے، تو رب عزوجل کہ اس لیٹے ہوئے کی شہ رگ سے قریب ہے۔ کیا یہ تینوں اس سے اونچے ہیں۔ کیسی سخت بے ادبی و گستاخی ہے۔ حدیث قدس میں رب فرماتا ہے: (انا جلیس من ذکرنی) (اپنے یاد کرنے والے کا ہم نشیں ہوں) یاد وہ بھی کر رہے ہیں جو فرش پر ہیں اور وہ بھی جو منبر پر تو کیا ان سب کے برابر ہوا اور منبر والے سے نیچا۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، قدیم ص ۳۷۔۴۷)

اعتراض ۸:

قیام میلاد کا ثبوت کہیں نہیں ہے

قیام میلاد شریف کا ثبوت کہیں نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قیام کے واسطے کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ قیام تعظیمی ممنوع ہے؟

جواب:

معترضین جھوٹے ہیں۔ قیام میلاد کو ممنوع کہنا شریعت پر افترا ہے۔ ان سے پوچھو کہ اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے، یا تم منع کرتے ہو۔ اگر کہیں: اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے تو دکھائیں کس آیت، کس حدیثِ صحیح میں ہے کہ قیامِ مجلسِ مبارک منع ہے؛ حکم ان کا نہیں بلکہ اللہ ورسول کا ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جابجا نبی کریم ﷺ کی تعظیم کا حکم فرمایا اور یہ قیام بھی اقسام تعظیم سے ہے تو جب تک اس خاص تعظیم کی ممانعت اللہ و رسول کے حکم سے ثابت نہ ہو یہ حکم قرآنی کے مطابق ہے۔ قرآن عظیم سے بڑھ کر اور کیا دلیل درکار ہے۔ زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ "اقامۃ القیامہ" میں ہے۔ خود حضور اقدس ﷺ تکریم حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے قیام فرماتے اور حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعظیم حضورِ اقدس ﷺ کے لیے قیام کرتیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جس وقت حاضر ہوئے، حضورِ اقدس ﷺ نے انصار کو ان کے لیے قیام کا حکم فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضور اقدس ﷺ مجلس انور سے اٹھتے۔ (قمنا قیاما حتی نراہ دخل بعض بیوت أزواجه) ہم سب کھڑے ہو جاتے اور کھڑے رہتے جب تک حضور ﷺ حجرات شریفہ میں سے کسی میں تشریف لے جاتے۔

ممانعت قیام اعاجم سے ہے کہ ان کا بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوتا اور درباری تصویر بنے ہوئے سامنے کھڑے رہتے۔ بعض وقت اس کی ناپسندی بطور تواضع و رفع تکلف ہے، جیسے اب بھی کوئی معظم دینی

آئے اور حاضرین اس کے لیے قیام کریں تو وہ کہتا ہے کہ تکلیف نہ فرمائیے، تشریف رکھیے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ قیام سے شرعاً منع کرتا ہے، بلکہ تواضعاً۔ مانعین کے یہاں بھی قیام تعظیمی برابر رائج ہے۔ اپنے مولویوں کے لیے قیام کریں گے اور لوگ ان کے لیے قیام کریں۔ بعض بیٹھے رہیں تو ناراض ہوں گے، بے ادب جانیں گے؛ مگر یہ تو اپنے مولویوں کی تعظیم ہے جن کی باطل عظمت سے دل بھرے ہوئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی عظمت ان کے ہاں کہاں؟ اس میں یہ شاخسانے سوجھتے ہیں۔ شفا شریف وغیرہا میں ائمۂ دین تصریح فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ذکر اقدس کی تعظیم ذاتِ انور کی طرح ہے۔ وقت تشریف آوری تعظیم ذات اطہر قیام سے ہے تو ذکر شریف کی یہی تعظیم مسلمانوں نے صدہا سال سے مقرر کی، جیسا کہ عقد الجواہر وغیرہ میں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹ قدیم)

اعتراض۹:

محفل میلاد میں قیام اول وقت سے کیوں نہیں ہوتا؟

قیام میلاد شریف اگر مطلقاً ذکر خیر کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو اول وقت سے کیوں نہیں کیا جاتا، اس لیے کہ اول سے ذکر خیر ہی ہوتا ہے اور اگر اس خیال سے کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں تو کیا حضور ﷺ اول وقت سے رونق افروز نہیں ہوتے۔ اگر ہوتے ہیں تو ابتدائے مجلس مبارک قیام ہی سے کیوں نہیں ہوتا اور اگر نہیں، تو کیا "فظہر فولد ﷺ" ہی کے وقت جلوہ افروز ہوتے اور تا قیام تشریف فرما رہتے، پھر فوراً لوگوں کے بیٹھتے ہی تشریف لے جاتے ہیں، جب تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا آنا لوگوں کے قیام، نیز میلاد خواں کے 'فظھر فولد' کہنے پر موقوف ہے۔

جواب: منکرین میلاد و قیام کے یہ تمام لایعنی اور مہمل اعتراضات ان کی جہالت وسفاہت کی دلیل ہیں۔ انہوں نے قیام میلاد کی من گھڑت وجوہ اپنی طرف سے بیان کرکے ان پر طرح طرح کے اعتراضات پیش کر دیے؛ جبکہ اس مقدس اور پاکیزہ عمل کی اصل اور حقیقی وجہ سمجھنے کی انہیں توفیق وہدایت نہ مل سکی۔ بات یہ ہے کہ محفل میلاد میں قیام تعظیم رسول ﷺ کی خاطر کیا جاتا ہے۔ محفل میلاد کیا ہے: ذکرِ رسول اللہ ﷺ کا اہتمام؛ اور اس میں شک نہیں کہ تعظیم ذکر اقدس مثلِ تعظیم ذاتِ انور ﷺ ہے، جیسا کہ ائمۂ دین نے تصریح فرمائی ہے۔

ذکرِ رسول ﷺ کی تعظیم کا حکم بھی وہی ہے جو ذات رسول ﷺ کی تعظیم کا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ تعظیم ذات کی صورتیں مختلف حالات میں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ذاتِ معظم کی تشریف آوری کے وقت بطور تعظیم قیام کیا جاتا ہے اور ان کی موجودگی میں باادب سامنے بیٹھنا تعظیم ہے۔ بعینہٖ یہی صورت تعظیم کی محفل میلاد میں قیام و جلوس کے ذریعہ اختیار کی جاتی ہے۔ ذکرِ رسول پاک ﷺ کے تسلسل میں جب ظہور قدسی اور ولادت کا بیان ہوتا ہے تو ذکرِ قدوم کی تعظیم میں قیام کیا جاتا ہے اور محفل کا باقی وقت ذکرِ پاک کی تعظیم بہ ادب قعود یعنی بیٹھنے کی صورت ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، قدیم)

حاصل یہ کہ تعظیم ذکر دراصل تعظیم ذات اقدس ہے اور قیام بھی تعظیم ہی کی ایک صورت ہے جو قدوم یعنی تشریف آوری کے وقت بجالائی جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ اطہر کا ذکر آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے لہٰذا تعظیم کی یہ صورت یعنی قیام اسی ذکر کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ (اقامۃ القیامہ، ص ۲۶)

اعتراض ۱۰:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے میلاد و قیام ثابت نہیں ہے۔

ہم لوگ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور ان کے عمل سے میلاد و قیام ثابت نہیں ہے، امام صاحب خود قیام نہیں فرماتے تھے۔ جب ہم ان کی تقلید کرتے ہیں تو ہر ایک بات میں تقلید کرنا چاہیے۔ صاحب مرقات کا قول ہے کہ جو امر مندوب ہے اس پر تاکید کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے۔ قیام مستحب ہے پھر اس پر اس قدر تاکید کیوں ہے۔ قبل نماز عصر چار رکعت سنت مستحب ہے اس پر تاکید کیوں نہیں کرتے۔ قیام میں کیا خصوصیت ہے؟

جواب: معترض نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر افترا کیا۔ قیام مندوب ہے۔ اگرچہ بعض اوقات اس لحاظ سے کہ واجب نہیں ساری مجلس قیام نہ کرتی ہو۔ اب یہ قیام شعارِ اہلِ سنّت ہو گیا ہے اور اس سے انکار شعارِ وہابیت ہے۔ پس شعارِ سنیت کا لحاظ ضرور مؤکد ہے۔ عصر سے پہلے کے نوافل نہ شعارِ سنیت ہیں نہ ان کے ترک میں کوئی تہمت وگمراہی۔ محفل میلاد میں قیام کی اہمیت ظاہر ہے، خصوصاً اس حالت میں کہ مجلس قیام کرے اور بعض بالقصد مخالفت مسلمین کر کے بیٹھے رہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، قدیم، ص ۵۳)

امانت کے معاملات اور امام احمد رضا کی تحقیق

صبا نور (ایم فل، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد)

Abstract: Transactions are part of social life and show strong relationships underlie the trust. Islam gives guidance for it and the life of the Prophet shows many examples of holding assets in trust. This article discusses the research of Imam Ahmad Raza on trust and is helpful in knowing his contribution to Economics.

خلاصہ: لین دین کے معاملات ہماری معاشرتی زندگی کا حصّہ ہیں اور انسانوں کے مابین تعلقات مستحکم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ انہی میں سے ایک امانت ہے، جس میں اپنا مال حفاظت کی غرض سے دوسرے شخص کے سپرد کیا جاتا ہے۔ شرع نے عقدِ امانت سے متعلق معاملات کی وضاحت کی ہے جس کی بہترین مثال ہمیں حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ملتی ہے۔ امام احمد رضا نے امانت سے متعلق معاملات کی تشریحی انداز میں وضاحت کی ہے۔ آپ نے یہ بتایا کہ امانت رکھی گئی شے سے نفع اٹھانا یا اس کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں اور امانت کا مال ضائع ہو جانے کی صورت میں تاوان کا مطالبہ کرنا کن سورتوں میں جائز ہوتا ہے۔ (صبا)

تعارف

لین دین کے معاملات میں امانت و دیانت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ شرع مطہرہ نے انسانوں کی بہتری و بھلائی کے لیے اس اَمر کو مباح قرار دیا ہے۔ انسان اپنے مال کی حفاظت خود نہ کر سکے، چوری ہو جانے کا خدشہ ہو یا کسی اور وجہ سے وہ خود اپنے مال کا تحفظ نہ کر سکے تو کسی دیانت دار آدمی کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ اس کا مال محفوظ رہ سکے۔ امانت لینے والے پر یہ فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی یا بے اعتدالی کا مظاہرہ نہ کرے، اور جب مالک اُس سے اپنا مال طلب کرے تو فوراً بغیر کسی حیلے بہانے کے اس کے سپرد کردے۔ قرآنِ پاک اور احادیثِ نبویہ ﷺ میں امانتوں کے تحفظ کی تلقین کی گئی ہے۔ امانت میں خیانت نہ صرف اخلاقی طور پر ناپسندیدہ فعل ہے، بلکہ شرعِ مطہرہ میں اس کی بہت مذمت کی گئی ہے۔

طریقۂ کار

اِس مقالے میں عقدِ امانت سے متعلق معاملات کی وضاحت کی گئی ہے۔ عقد امانت کا معنٰی و مفہوم بیان کرنے کے بعد قرآن پاک اور حدیث سے اس کا ثبوت، کتب فقہ سے عقدِ امانت کی شرائط و دیگر مسائل کو بیان کیا گیا ہے پھر امام احمد رضا نے اپنی تصنیف "العطایہ النبویہ فی الفتاوٰی رضویہ" میں عقدِ امانت سے متعلق جو تحقیقات پیش کی ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے آخر میں مقالے کا خلاصہ، تحقیق سے حاصل ہونے والے نتائج، عملی اطلاق اور مآخذ و مراجع درج کیے گئے ہیں۔

تحدید

اس مقالے میں امام احمد رضا کی عقد امانت سے متعلق تحقیقات کو پیش کیا گیا ہے امانت کا مال تلف ہو جانے کی صورت میں تاوان کے مسائل عقدِ عاریت سے مماثلت رکھتے ہیں۔ عاریت سے متعلق مضامین کو ہم "عقدِ عاریت اور تحقیقاتِ رضا" کے عنوان سے معارف رضا ستمبر ۲۰۱۱ء میں بیان کر چکے ہیں۔ اس مقالے میں امانت سے متعلق امام احمد رضا کی تحقیقات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اعتذار

اِس مقالے میں امام احمد رضا کی امانت سے متعلق تحقیقات کو فقط فتاوٰی رضویہ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات) کی جلد نمبر ۱۲، ۱۷، ۱۹ اور ۲۵ سے پیش کیا گیا ہے۔ متعلقہ ابواب میں سے صرف امانت کے موضوع پر ہی امام احمد رضا کی تحقیق بیان کی گئی ہے مگر امانت سے متعلق دیگر جلدوں میں موجود مسائل کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

مقاصدِ تحقیق

اِس تحقیق کے درج ذیل مقاصد ہیں:

(ا) قرآن و حدیث اور دیگر کتب فقہ سے عقد امانت کے معاملات کی تشریح کر کے اس کی اہمیت اُجاگر کرنا نیز لوگوں کو شریعت کے اصول و ضوابط کے مطابق اس عقد کو قائم کرنے کی ترغیب دینا۔

(۲) امانت کے مال میں کسی قسم کا تصرف ازروئے شرع امین کو جائز نہیں۔ یعنی امانت کے مال کو خرچ کرنا، یا اپنے کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کرنا، یا بوقت ضرورت اپنے استعمال میں لانا۔ اس نوعیت کے تمام مسائل کو بیان کر کے عوام الناس کو آگاہ کرنا۔

(۳) امانت کا مال تلف ہو جانے کی صورت میں مالک امین سے تاوان کا مطالبہ کن صورتوں میں کرنے کا حق دار ہے ایسی تمام صورتوں کی تفصیل بیان کر کے اس سے آگاہی دینا۔

(۴) معاملات اور دیگر دوسرے عقود کی طرح عقد امانت پر امام احمد رضا نے جن مسائل پر اپنی تحقیقات کو پیش کیا ہے ان کو سامنے لانا۔

(۵) اس بات کی وضاحت کہ امام احمد رضا کی ان تحقیقات سے مدد لے کر دورِ حاضر میں امانت کے معاملات کو نہ صرف شرعی حدود کے مطابق قائم کیا جا سکتا ہے بلکہ عصرِ حاضر میں امام احمد رضا کی بیان کی گئی تحقیقات کی روشنی میں متعدد مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔

امانت کا معنیٰ و مفہوم

لُغت کی رُو سے امانت سے مراد وہ شے جو مالک کے علاوہ کسی اور کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی جائے۔ ودیعت بھی امانت کا ہم معنیٰ ہے، جس کے معنیٰ ابداع (سپرد کرنے) کے ہیں اس کا مطلب وہ شے جو امانت دار کے پاس رکھی جائے۔ بعض علما کے نزدیک ودیعت سے ہر ایسی شے مراد ہے جس کی ضمانت نہیں لی جا سکتی۔ اس میں وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کی ضمانت نہیں ہوتی، مثلاً ادھار چیز یا کرایہ پر لی ہوئی شے۔ امانت میں یہ شرط نہیں ہے کہ امانت دار اسے قبول کرے لیکن ودیعت میں کسی دوسرے کے شخص کے پاس شے قول و قرار کے ساتھ رکھی جاتی ہے خواہ یہ قبولیت صراحتاً ہو یا دلالتاً۔[۱]

قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے ثبوت

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر امانت کا تذکرہ آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا"[۲] (بے شک خدا تعالیٰ فرماتا ہے تمھیں اُن کے سپرد کر دو امانتیں جو ان کے اہل ہیں)۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ"[۳] (جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاس داری کرتے ہیں)۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن پاک نے الامین کا لقب دیا۔ "نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ"[۴] (اس پیغام کو لے کر امانت والی روح اتری)۔ اسی طرح قرآن پاک میں اس امانتوں میں خیانت کی مذمّت بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"[۵] (اور اپنی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو)۔

اِسی طرح احادیث نبویہ اور نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے بھی امانتوں کی حفاظت کا حکم ملتا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اہل مکہ نے "الامین" کا لقب دیا۔ قریش مکہ نبی ﷺ سے بغض و عناد کے باوجود اپنی قیمتی اشیا و روپے پیسے آپ کے پاس رکھواتے تھے کیونکہ نبی ﷺ سے بڑھ کر اُن کی امانتوں کا تحفظ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا، مدینہ ہجرت کرتے وقت بھی لوگوں کی بے شمار امانتیں آپ کے پاس تھیں؛ ہجرت سے قبل ان امانتوں کا ان کے حق داروں تک پہنچانا بھی ضروری تھا۔ نبی ﷺ نے یہ ذِمّے داری حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ اِس نازک ترین وقت میں بھی نبی ﷺ نے امانتوں کی ذِمّے داری احسن طریقے سے سرانجام دی۔ اِس واقعے سے نہ صرف امانت کی حفاظت بلکہ اُن کے مالکوں کو بحفاظت پہنچانے کا سبق بھی ملتا ہے۔ نبی ﷺ کی بے شمار احادیث میں امانت کے بارے میں سختی سے تاکید کی گئی ہے، ارشادِ نبوی ہے جس میں امانت نہیں اُس میں ایمان نہیں[۶]۔ حضرت انس بیان فرماتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا "مومن خیانت نہیں کرتا اور نہ ہی جھوٹ بولتا ہے"۔[۷]

قرآن پاک میں امانت کا لفظ صرف لین دین تک محدود نہیں، بلکہ جملہ تمام عبادات و معاملات اور حقوق و فرائض پر محیط ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو نعمتیں، صلاحیتیں عطا کیں ہیں ان کا صحیح استعمال بھی امانت کے زمرے میں آتا ہے۔ اس طرح عبادات کو صحیح اور وقت مقررہ پر ادا کرنا امانت ہے۔ معاملات اور حقوق و فرائض کو حکم خداوندی کے مطابق انجام دینا امانت میں شمار ہوتا ہے۔ اخلاقی طور پر کسی کو اچھا مشورہ دینا، کسی کے راز کو چھپانا، کسی مجلس میں جو باتیں ہوئیں اُن کو آنکھ راز میں رکھنا، اپنے فرائض کو دیانت داری سے ادا کرنا یہ سب (باتیں) امانت کے ہی دائرۂ کار میں آتی ہیں۔

امانت کی شرائط

شرع مطہرہ نے امانت کے معاملے میں چند ایک باتیں بیان کی ہیں،

جن کی پابندی مالک اور امین دونوں پر عائد ہوتی ہے، وہ درجِ ذیل ہیں:

عقدِ امانت کے لیے پہلی شرط یہ ہے مالک اپنا مال جس امین کے سپرد کرے وہ شخص بالکل اجنبی نہ ہو کہ بغیر جانے پہچانے مال اس کے سپرد کردے، بلکہ امین احکامِ شریعت کا پابند ہو لوگوں میں امانت و دیانت داری کی بنا پر مشہور ہو، جس پر امانت کے تحفظ کے سلسلے میں اعتماد کیا جاسکے، یا دوسرے لفظوں میں وہ مالِ امانت کی حفاظت کی اہلیت رکھتا ہو۔ امانت کے لیے دوسری شرط یہ ہے امانت کا مال اِس قابل ہو جس پر امین کا قبضہ کرنا ممکن ہو؛ چنانچہ کسی پرندے کو امانت میں دیا تو یہ عقد درست نہیں ہوگا۔

عقد امانت میں امین کی جانب سے مالِ امانت کے قبول کرنے کی صورت کبھی صراحتاً ہوتی ہے جیسے امین کا صاف یہ کہہ دینا کہ یہ مال بطور امانت میں نے اپنے پاس رکھنا قبول کیا اور کبھی امین مُنہ سے مال قبول کرنے کے الفاظ ادا نہیں کرتا، بلکہ اس کے عمل سے مال امانت کا قبول کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً امانت کا مال امین کے سامنے رکھ دیا اور اُس نے مال اپنی تحویل میں لینے سے انکار نہیں کیا۔ اس طرح مالِ امانت کسی کے سپرد کیا جائے اور وہ شخص مال لینے سے انکار کرتا ہے۔ مالک اپنا مال اس کے سپرد کرکے چلا جائے۔ امین کو خدشہ ہو یا وہ اس مال کی ذِمّے داری قبول نہ کرے اُس پر لازم ہے کہ وہ مال بحفاظت اُس مالک کے پاس چھوڑ کر آئے اگر امین مال اپنے کسی ملازم کے سپرد کردے کہ واپس مالک کو پہنچائے دورانِ سفر ملازم سے ضائع ہوجائے تو امین پر اس کا تاوان عائد ہوگا۔[8]

مال امانت تلف ہونے کی صورت میں تاوان

امانت جس شخص کے سپرد کی جاتی ہے اُس پر فرض ہے وہ اس مال کی حفاظت میں کسی قسم کی بے اعتدالی یا غفلت نہ برتے بلکہ اس مال کی حفاظت اپنے مال کی طرح کرے، غیر ارادی طور پر یا اتفاقاً مال تلف ہوجائے یا قدرتی آفات کی نذر ہوجائے یا کسی آفت کے آجانے سے مال امانت کو حفاظت کے پیش نظر کسی دوسرے شخص کے سپرد کردے اور وہ مال اُس شخص کے پاس سے ضائع ہوجائے ان صورتوں میں شرع اسلامی کی رو سے مال امانت ضائع ہونے کی صورت میں تاوان عائد نہیں ہوگا۔

امین مال امانت کو اپنے اہل وعیال، والدین، اولاد، اہلیہ کے پاس رکھوا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مال امانت کی حفاظت پوری دیانت داری سے کرسکیں۔ اس کے علاوہ امین اس مال کو ایسے شخص کے سپرد بھی کرسکتا ہے جو امین کے مال کا وکیل ہو یا شریک کاروبار جس کے ساتھ امین نے شراکت کی ہو۔

مالک کی اجازت سے امین مال کو اپنے مال میں شامل کرلے، یا اُس مال سے کاروبار کی اجازت لے تو یہ دونوں مال ان کی مشترکہ ملکیت ہوں گے۔ اس کے برعکس امین بغیر اجازت کے مال امانت کو اپنے مال میں شامل کرلے اس صورت میں امین غاصب ہے اور مالک اُس سے اپنے مال کا تاوان لے سکتا ہے اور وہ جب تک اس مال کا تاوان ادا نہیں کرے گا ان مالوں کو اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا۔ دوسری صورت میں مالِ امانت کا مالک ان مالوں کو برابر تقسیم کرکے اپنے حصّے کا مال وصول کرسکتا ہے۔[9]

امین کے وفات پاجانے کی صورت میں اس کے وارثوں کو مال امانت سے متعلق کچھ علم نہ ہو یا مال امانت کی شناخت مشکل ہو تو اس صورت میں وہ میت کے ترکہ پر قرض تصور کیا جائے گا۔ امین مال امانت میں تصرف کرے، اس کی حفاظت میں غفلت برتے یا اُس شے کو اپنے استعمال میں لائے تو امین تاوان ادا کرے گا۔ علمائے کرام کے نزدیک امین ایک یا دوبار اُس شے کو اپنے استعمال میں لائے اور بعد میں اُس کو استعمال کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور اس پر کسی دوسرے شخص کی گواہی بھی موجود ہو کہ اس نے اس مال کو دوبارہ استعمال نہیں کیا۔ مال ضائع ہوجانے کی صورت میں امین تاوان سے بری ہوجائے گا۔ اِس طرح امانت کے مالک نے اپنا مال امین سے طلب کیا اور امین یہ کہے کہ چوری ہوگیا یا کچھ دنوں بعد لے جانا ان سب صورتوں میں بھی امین کو تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ تاہم شرع مطہرہ نے اس معاملے میں کچھ مسائل وضاحت سے بیان فرمائے ہیں جن کی صورت میں امین پر تاوان لازم ہوگا ورنہ نہی۔

الغرض مالِ امانت جس کے سپرد کیا جاتا ہے اس پر مال کی حفاظت لازم ہے اور امانت کے مال کو اسی حالت میں قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے کسی قسم کا تصرف، زیادتی یا اپنے استعمال میں لانے سے خیانت متصوّر ہوگی۔ مالِ امانت ضائع ہوجائے یا چوری ہوجائے اُس صورت میں امین پر تاوان عائد ہوسکتا ہے۔[10]

امام احمد رضا اور امانت کا معاملات

فقہ اسلامی میں معاملات کا شعبہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ معاملات اور لین دین کا کوئی جز ایسا نہیں، جس پر امام احمد رضا نے اپنی تحقیقات کو پیش نہ کیا ہو۔ دیگر دوسرے معاملات کی طرح امانت پر بھی مفصلانہ انداز میں مسائل کی وضاحت کی خصوصاً امانت کے مال میں تصرف کی صورتیں اور تاوان کے مسائل کو تفصیلاً بیان فرمایا۔

امانت میں تصرف

امانت کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھوایا جاتا ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر مالک سے واپس لے سکے امانت چاہے مال کی صورت میں ہو یا کسی شے کی صورت میں، اُس شے کو بعینہٖ امین اپنے پاس قائم رکھنے کا پابند ہے۔ یہاں تک کہ رد و بدل کی ذراسی بھی گنجائش موجود نہیں ہے اور نہ ہی اپنے استعمال میں لانے یا مال میں سے خرچ کرنا جائز ہے بلکہ ایسا کوئی بھی فعل بد دیانتی اور خیانت میں شمار ہو گا۔امام احمد رضا فرماتے ہیں امین مالِ امانت میں کسی قسم کے تصرف، زیادتی کا حق دار نہیں، امانت کا مال سپرد کرتے وقت مالک اس کو استعمال کی اجازت دے، کہ ضرورت کے وقت امین اس مال میں سے خرچ کر سکتا ہے۔ تو یہ اجازت صرف انتہائی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے دی گئی ہے۔[11]

اِسی طرح چندے کے طور پر جمع کی گئی رقم جو کسی نیک مقصد کے لیے جمع کی گئی ہو، جس کے سپرد کی جائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس رقم کو اسی مقصد کے لیے خرچ کرے جس کی تاکید چندہ دہندگان نے کی ہو۔ اُس کے بعد جو رقم باقی بچ جائے وہ چندہ دہندگان کی ملکیت ہے ان کی اجازت کے بغیر اُس رقم کو کسی اور کام میں صرف کرنا جائز نہیں، مزید کسی کام میں لگانے یا کوئی اور نیک کام کے لیے خرچ کرنا ان کی اجازت پر موقوف ہے۔ ویسے ہی اپنی مرضی سے خرچ کر دیا تو غاصب ہو گا جس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔[12]

اِسی نوعیت کے اور مسائل ہیں جیسے کسی واعظ کو محفل پاک ﷺ میں شرکت کرنے کے لیے کسی دوسرے شہر سے بلایا جائے اُس کے سفر کے اخراجات کے لیے اس کو کچھ رقم عنایت کی جائے۔ اس پر لازم ہے کہ سفر کے اخراجات کے بعد جو باقی بچے وہ دینے والے کو واپس ادا کرے، اس رقم کو اپنے کسی ذاتی کام کے لیے خرچ کیا یا کسی اور غرض سے اس کو استعمال کیا اتنی رقم بھی ادا کرنا لازمی ہو گا۔ کیونکہ یہ رقم محض سفر کے اخراجات کے لیے بطورِ امانت دی گئی تھی، اس سفر کے اخراجات کے بعد باقی جو بچا وہ دینے والوں کی ملکیت ہے۔[13] واپس ادا کرنے کے بعد وہ لوگ اُسے تحفے کے طور پر دیں یا اُس رقم کو کسی اور کام پر خرچ کرنے کی اجازت دیں، وہ ایک الگ نوعیت ہے خود سے اُس رقم میں تصرف کا حق دار نہیں ہے۔

امام احمد رضا اسی نوعیت کے ایک اور مسئلے کی وضاحت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو رقم کا امین بنائے مثلاً جیسے کوئی حج کرنے جارہا ہے اس کے سفر کا خرچ خورد و نوش وغیرہ کا ذمہ لگائے اُس پر لازم ہے کہ مالک نے وہ رقم خرچ کرنے کی جو وضاحت کی امین اُس سے زیادہ خرچ نہ کرے یہاں تک کہ اگر وہ شخص فوت ہو جائے اور امین اسی رقم سے میت کے کفن دفن کا انتظام کرے، ایسا کرنا امین کو جائز نہیں کیونکہ اس مالک نے صرف اس کی حیات تک کا خرچہ بیان کیا تھا امین نے جتنا خرچ اپنی مرضی سے کیا، اس رقم کا لوٹانا اس پر واجب ہو گا اور جو باقی بچا وہ مالک کا حق ہے چاہے مالک نے واپس کرنے کی تاکید کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس طرح مالک نے اس رقم کے بارے میں یہ بتایا ہو کہ بقیہ جو بچے اس کو مجھے ہی ادا کرنا، امین پر اس تاکید کی پابندی لازمی ہے۔[14]

امام احمد رضا فرماتے ہیں امین مال امانت کو اپنے اہل و عیال کے سپرد کر سکتا ہے، بشرطیکہ کہ وہ اس مالِ امانت کا تحفظ کر سکیں اور اس مال کو ویسے ہی قائم رکھیں یا وہ مالِ امانت کی حفاظت کی اہلیت رکھتے ہوں، ان کے پاس سے مال ضائع ہو جانے کا خدشہ نہ ہو۔ آپ سے اسی مسئلے کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی اہلیہ کے پاس مال امانت رکھوائے وہ اپنے والدین کو دے؛ طلب کرنے پر یہ معلوم ہو کہ والدین نے کسی کام میں وہ مال خرچ کر لیا وہ مال کا مطالبہ اپنی اہلیہ سے یا اس کے والدین سے کرے؟ آپ فرماتے ہیں اہلیہ اور اس کے والدین دونوں ہی غاصب ہیں جو وہ جس سے چاہیے اس مال کا نقصان پورا کرے۔[15]

امین مالک کی اجازت کے بغیر امانت کی رقم کو اپنے کاروبار میں لگائے تو اس صورت میں امین غاصب ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں

کہ امین مالک سے اس رقم کو کاروبار میں لگانے کی نہ لے، اور نہ ہی مالک اس بات پر راضی ہو اور وہ اپنی مرضی سے اس کو تجارت میں لگائے اس سے سرمایہ کاری کرے یہ سراسر امانت میں خیانت ہے۔
امام احمد رضا سے سوال ہوا کہ زید کی بھاوج نے دو ہزار روپے اس کے پاس جمع کروائے زید نے اس رقم کو کاروبار میں لگانے کی اجازت چاہی مگر وہ راضی نہ ہوئی اس کے علاوہ زید ماہانہ اپنی بھاوج کو کچھ نہ کچھ رقم دیتا ہے۔ زید نے بغیر اجازت کے وہ رقم تجارت میں لگائی، اور ساتھ ہی اس بات کا اقرار بھی کرتا ہے کہ جب مجھ سے یہ رقم طلب کی جائے گی اُسی وقت ادا کروں گا۔ زید تجارت میں نفع زائد ہونے کی وجہ سے کبھی زائد رقم بھی دے دیتا ہے۔ اس صورت میں یہ روپیہ جو ماہوار دیا جاتا ہے سود تو نہیں۔

امام احمد رضا اس مسئلے کے جواب میں فرماتے ہیں: ہندہ نے یہ رقم زید کے پاس امانت رکھوائی تھی اس کی اجازت کے بغیر اُسے کاروبار میں لگایا اس وجہ سے زید نے امانت میں خیانت کی وہ غاصب ہے جس کا تاوان ادا کرنا اُس پر لازم ہے کیونکہ بغیر اجازت امانت کے مال میں تصرف گناہ ہے۔ دوسری صورت کہ جو زید رقم ماہانہ دیتا ہے اگر تو محض احسان اور حُسنِ سلوک کے طور پر دیتا ہے یعنی اُس کاروبار کے نفع کی وجہ سے نہیں دیتا اور اگر ہندہ اپنا روپیہ واپس لے بھی لے تب بھی یہ مدد کے طور پر کچھ نہ کچھ دیتا رہے گا زید کا اسے روپیہ دینا محض احسان و تبرع ہے؛ لہٰذا یہ دینا سود میں شمار نہیں ہوگا، لیکن اگر زید محض کاروبار میں نفع کی وجہ سے دیتا ہے تو ایسی صورت میں لینا اور دینا سود ہوگا۔[۱۶] ہندہ نے وہ رقم قرض کے طور پر زید کو دی اور زید اُس رقم کی وجہ سے اُس کو ماہانہ ادا کرتا ہے، تو یہ فرض پر نفع سود ہوگا اور اگر کاروبار میں لگانے کی اجازت دی تو یہ عقدِ مضاربت کے اُصولوں پر کاروبار ہوگا، جس میں ایک بندے کا مال ہوتا ہے اور دوسرے کی محنت، اس طرح نفع لینا ہندہ کو حلال ہوگا اور اگر امانت کے طور پر رقم دی، تو امانت کا ویسے ہی قائم رکھنا لازمی ہوتا ہے اس سے کسی قسم کا نفع، زیادتی، تصرف حرام ہے۔ یہاں پر ان سب صورتوں میں امانت دینا ہی ثابت ہے۔

اس طرح مسجد یا مدرسے کی اعانت کے طور پر دی گئی رقم جس شخص کے سپرد کی جاتی ہے وہ اس میں سے اپنے خرچ کے لیے استعمال کرے، یا قرض سمجھ کر خرچ کرلے۔ بعد میں وہ پورا بھی کردے، تو امام احمد رضا فرماتے ہیں، اس کا اس رقم کو ادا کردینا کافی نہیں، وہ گناہ سے بری نہیں ہوگا بلکہ امانت میں خیانت کی ہے۔ اپنے اس عمل کی خدا تعالیٰ سے توبہ استغفار کرے۔[۱۷]

امام احمد رضا فتاوٰی رضویہ کی کتاب الوصایا میں وصیت سے متعلق تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ امانت کی وضاحت فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی حیات میں کچھ رقم کسی نیک کام کے لیے یا ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنے کے لیے کسی شخص کے سپرد کردے، اُس رقم سے متعلق کوئی وصیت نہ کرے کہ میرے بعد بھی یہ رقم اسی کارِ خیر میں صرف کرنا، اس کی وفات کے بعد امین کو اس بات کی قطعاً اِجازت نہیں کہ وہ اس رقم کو خیرات کرے بلکہ اُس پر حق ورثا کا ہے۔ اس پر لازم ہے ورثا کی موجودگی میں اُس رقم کو خرچ نہ کرے بلکہ ان کے سپرد کردے، دوسری صورت میں اگر وہ شخص امین کو اس حال سے متعلق وضاحت سے کہہ دے یا خیراتی کام کی وصیت کرجائے، تو یہ معاملہ الگ نوعیت کا ہے، اُس میں یہ دیکھا جائے گا کہ امین نے کتنا خرچ کیا، یا مالک پر کوئی دین ہے، تو اس رقم سے قرض ادا کرکے ورثا کا حق ادا کرکے باقی رقم کا فیصلہ کیا جائے گا۔[۱۸]
اسی طرح امانت کی رقم سے متعلق وصیت کرجائے کہ یہ امانت میرے بعد فلاں فلاں کے سپرد کردینا، تو امین پر لازم ہے وہ امانت کا مال اسی شخص کے سپرد کردے، بشرطیکہ مالک کا کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہو۔[۱۹]

بغیر وصیت کی گئی جائیداد کے بارے میں امام احمد رضا اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ بغیر وصیت کے چھوڑی ہوئی جائیداد کے وارثان بچے نابالغ ہوں تو عرف ورواج کے مطابق ان ورثا میں سے جو بڑا بچہ بالغ ہوگا وہ اس جائیداد کی دیکھ بھال کرے گا اور ایمانداری سے اس میں سے اپنے بہن بھائیوں کی پرورش، تعلیم وتربیت پر خرچ کرے گا، اس کو تصرف کا اختیار ہے، لیکن وہ امین ہے، ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرے، بلاوجہ تصرفات کا اختیار نہیں۔[۲۰]

امام احمد رضا رسالہ "الشرعیۃ البھیۃ فی تحدید الوصیۃ" (۱۳۱۷ھ) میں امانت کا تذکرہ فرماتے ہیں: زیور مال، یا کوئی دوسری مالیاتی اشیاء بطور امانت رکھوانے کے ضروری ہے کہ وہ اُس کی ہوں،

بغیر ملکیت کے کسی نابالغ یا کم سن کے لیے کسی کے سپردِ مال کرنا ازروے شرع درست نہیں، اگر وہ خالصتاً اُسی شخص کی ملک ہوں تو وہ نابالغان بچوں کے حق میں بطورِ امانت محفوظ رکھے جائیں گے۔[۲۱]

غیر مسلموں کی امانت میں خیانت بھی جائز نہیں، بلکہ ان کی امانت کا واپس کرنا لازمی ہے، اس طرح غیر مسلموں کا مال چوری، دھوکہ دہی فریب سے اپنے قبضہ میں لانا ناجائز ہے ایسی غیر اخلاقی حرکات کا ارتکاب کرکے ان کا مال لینا ناپسندیدہ فعل ہے۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایاہے۔[۲۲]

امانت اور ضمان

امانت کے مال کی حفاظت امین پر لازم ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی، بے اعتدالی، بے خیالی امین کو زیب نہیں دیتی اتفاق سے شے گم ہوجانے یاچوری ہوجانے کی صورت میں امین پر ذِمّے داری عائد نہیں کی جاسکتی۔ اس بے احتیاطی یاجان بوجھ کر شے ضائع کرنے کی بھی چند ایک صورتیں ہیں جن کی وجہ سے امین پر تاوان دینالازم ہوگا۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں جس شخص کے سپرد امانت کا مال کیا جائے۔ وہ اس مال کو رکھ کر کہیں بھول جائے یاامانت کامال ساتھ لے کر سفر کرے اور دورانِ سفر کسی جگہ قیام کرے یا اپنی دیگر تجارتی سرگرمیوں میں مشغول ہوجائے اور کسی جگہ امانت کے مال کا خیال نہ رہے، بعد میں مالک کے طلب کرنے پر متعلقہ مال کا یاد آئے۔ اس طرح کی صورتوں میں امین پر مال کا تاوان ادا کرنالازم ہوگا۔ اسی طرح کی اور صورت کہ کوئی شخص اپنے ملازم کو کوئی شے خریدنے کے لیے روپے دے کہ فلاں شے خرید کر لاؤ راستے میں وہ روپے اُس سے گم ہوگئے تو اس نوعیت کے تمام مسئلوں میں اسی بات کو مدِ نظر رکھ کر تاوان کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جب امین نے لاپرواہی اور غفلت کا مظاہرہ کیاہو اور مال کی حفاظت نہ کی ہو بلاوجہ یابغیر تحقیق کے امین پر نقصان عائد کرنا جائز نہیں۔[۲۳]

امین سے مال امانت ضائع ہوجائے اور وہ اس ضائع شدہ شے کا تاوان ادا کرنے پر رضامند ہو ایسی صورت میں امام احمد رضا فرماتے ہیں تاوان صرف اسی صورت میں عائد کیا جائے گا جب امین نے مال جان بوجھ کر ضائع کیا، ورنہ امین تاوان سے بری ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں بعض اوقات لوگ شے ضائع ہوجانے کی وجہ سے امین سے نقصان پورا کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں یہ جاننے کی زحمت بھی نہیں کرتے کہ وہ شے اتفاقاً گم ہوگئی، امین کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی ایسا کرنا ازروئے شرع درست نہیں۔ قرآن پاک میں اس کی مذمت بیان کی ''آپس کا مال باطل اور حرام طریقے سے مت کھاؤ''[۲۴] لہٰذا اگر مقصود نہ ہوا، بلاوجہ رقم امین سے حاصل کی تو ایسامال ناجائز ہوگا، امام احمد رضا اسی بات کی اور وضاحت فرماتے ہیں جیسے بعض لوگ سود کی رقم کالین دین کرتے ہیں اور سود کسی صورت بھی حلال نہیں ہوسکتا، لہٰذا بلاوجہ کسی امین سے نقصان پورا کروانا جائز نہیں۔[۲۵]

امانت کا معاملہ طے کرتے وقت دونوں فریق یہ شرط طے کرلیں کہ مال امانت ضائع ہوجانے کی صورت میں اس کا نقصان ادا کرنا امین کی ذمّے داری ہے چاہے وہ کسی بھی طرح ضائع ہوجائے اور امین اس شرط پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے، ایسی تمام شرائط باطل ہیں ضمان کی شرط اس لیے قبل ازوقت باطل ہے کیونکہ ضمان یا تاوان ہمیشہ نقصان کے بعد واجب ہوتا ہے۔[۲۶]

ملازموں پر بھی تاوان ادا کرنے کی ایسی صورت ہے کہ وہ مال کی حفاظت میں غفلت برتیں، مالک نے اپنی غیر موجودگی میں مال کی حفاظت کی ذِمّے داری سونپی ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرائض کو اَحسن طریقے سے انجام دیں، مثلاً دکان وغیرہ کا مال، روپے پیسے جو مالک کی غیر موجودگی میں ملازمین کے سپرد ہیں، اس صورت میں اُس نے حفاظت کا پورا انتظام کیا تو مال چوری ہوجانے کی صورت میں اس پر تاوان نہیں ہوگا۔[۲۷]

قرض خواہ جو قرض دار سے اپنی رقم طلب کرتا ہے قرض دینے والے کو یہ معلوم ہو کہ قرض دار کے پاس اتنی رقم موجود ہے جس سے میری رقم مجھ کو واپس مل جائے قرض دار یہ بیان کرے کہ یہ میری ملکیت نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص نے میرے پاس امانت رکھوائی ہے۔ لیکن قرض دینے والا زبردستی وہ رقم حاصل کرے، تو اس صورت میں امانت کا مالک کسی شخص سے تاوان وصول کرے گا، امین سے یا اس قرض دینے والے سے جس کے قبضہ میں وہ رقم ہے۔

امام احمد رضا اس مسئلے کی وضاحت بیان فرماتے ہیں قرض دار اور قرض خواہ کا یہ معاملہ الگ ہے، جب کسی کے سپرد امانت کی جائے،

اس کا تحفظ لازمی ہے قرض دینے والا اس سے وہ زبردستی امانت کی رقم وصول کرے اور امین اس عمل پر خاموشی کا اظہار نہ کرے بلکہ جتنا ممکن ہو اس سے مہلت لے، یابات (چیت) کے ذریعے آمادہ کرلے کہ یہ رقم امانت ہے۔ لیکن قرض خواہ اس بات کو نہ سمجھے، اور زبردستی اس کو لے جائے، تو امانت کا مالک اُسی شخص سے جاکر تاوان کا مطالبہ کرے گا امین سے نہیں، کیونکہ امین نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ امانت کی رقم کو اپنے پاس قائم رکھے، دوسری صورت میں امین کوشش ہی نہ کرے بلکہ چپ چاپ وہ رقم اس قرض خوا کو واپس دے، اس صورت میں امانت کا مالک دونوں میں سے جس سے چاہے اپنے تاوان کا مطالبہ کرے، وہ دونوں ہی متامن ہیں۔[۲۸]

عاریتاً لی ہوئی اشیاء یا کرائے پر حاصل کی ہوئی اشیا کی حفاظت میں تقصیر نہ ہوئی، تو بھی تاوان کا مطالبہ ناجائز ہوگا۔[۲۹]

امام احمد رضا فرماتے ہیں، جائیداد کو اس کے مالک کی غیر موجودگی میں اس کی اہلیہ نے فروخت کردیا، اور ایسا کرنے کی اجازت مالک نے دی تھی، فروخت کے بعد حاصل ہونے والی رقم اس کے پاس امانت ہے۔ اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا اور اُس سے بغیر مقصور کے ضائع ہوجائے، تو مالک اُس سے کسی قسم کی رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ امینہ تھی اور امین پر بلا تعدتی و زیادتی کے ضمان واجب نہیں ہوتا۔[۳۰]

خلاصہ تحقیق

لفظ امانت زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس کا دائرہ کار صرف لین دین تک محدود نہیں۔ امانت کی شے جس شخص کے سپرد کیا جائے۔ اُس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ امانت کی حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی بے اعتدالی، بے خیالی کا مظاہرہ نہ کرے، بلکہ اپنے مال سے بڑھ کر اُس امانت کی حفاظت لازم ہے اُس مال کو نہ تو اپنے ذاتی خرچ کے لیے استعمال کرسکتا ہے اور نہ ہی اپنے کسی کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ ایسا کرنے کے لیے مالک کی اجازت لازمی ہے۔ مال امانت چوری ہوجانے یا ضائع ہوجانے کی صورت میں امین پر تاوان عائد ہوسکتا ہے، لیکن مالک تاوان کا مطالبہ صرف اس صورت میں کرنے کا حق دار ہے جب کہ حقیقتاً امین نے مالِ امانت جان بوجھ کر ضائع کیا ہو، یا اس کی حفاظت میں غفلت برتی ہو ورنہ تاوان کا مطالبہ ناجائز و باطل ہوگا۔ امام احمد رضا نے امانت میں تصرف، تاوان کی تمام صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا آپ کی ان تحقیقات سے راہنمائی حاصل کرکے اس عقد کو شرعی اعتبار سے درست کیا جاسکتا ہے۔

نتائج

اس تحقیق سے یہ نتائج منظرِ عام پر آئے ہیں:

(۱) دینِ اسلام کی رو سے عقد امانت جائز ہے اس عقد کو قرآن و حدیث کی روشنی میں اور فقہاے کرام کی تحقیقات سے مدد لے کر شرع کے مطابق درست طریقے سے قائم کیا جاسکتا ہے۔

(۲) امانت کے مال کو امین ویسے ہی اپنے پاس قائم رکھنے کا پابند ہے جس حالت میں اس کے سپرد کیا گیا تھا، امانت کے مال کو نہ تو اپنے کسی ذاتی کام کے لیے خرچ کرسکتا ہے اور نہ ہی امانت کی شے کو استعمال کرنے کا حق دار ہے ایک صورت میں جبکہ مالک نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہو یا بوقتِ ضرورت خرچ کرنے کی وضاحت کردی، لیکن اس مسئلے میں کہ جب امین اس کو خرچ کرے اور جب مالک اس سے اپنی امانت طلب کرے تو امین پر لازم ہے کہ وہ امانت کی شے اس کے حوالے کرے، کسی قسم کا حیلہ بہانہ نہ کرے۔

(۳) امانت کا مال ضائع ہوجانے کی صورت میں تاوان کا مطالبہ صرف چند صورتوں میں جائز ہے۔ جبکہ امین کی جانب سے اس مال کی حفاظت میں کوئی کمی ہو یا لاپرواہی کا مظاہرہ ہو۔ اتفاقاً گم ہوجانے، یا چوری ہونے کی صورت میں کسی قسم کا تاوان امین پر عائد نہیں کیا جاسکتا، بلاوجہ نقصان امین سے پورا کروانا ناجائز ہے۔

(۴) امام احمد رضا نے مالِ امانت ضائع ہوجانے کی صورت میں تاوان لینے سے متعلق تمام مسائل کی وضاحت فرمائی، آپ کی ان نادر تحقیقات سے راہ نمائی حاصل کرکے نہ صرف اس عقد کو درست بنایا جاسکتا ہے بلکہ اس عقد سے متعلق آپ کی تحقیقات کو مدِ نظر رکھ کر آج کل کے دور میں اس نوعیت کے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔

عملی اطلاق

امانت وودیعت کے طور پر لین دین ہماری روز مرّہ زندگی کا لازمی جزو ہیں۔ دینِ اسلام سے ہمیں اس عقد کی ترغیب ملتی ہے؛ امانت کے مال کی نہ صرف حفاظت لازم ہے، بلکہ اس میں کسی قسم کی بے اعتدالی، کوتاہی خیانت ہے۔ امانت کا مال حفاظت کی غرض سے

رکھوایا جاتا ہے؛ ضائع ہونے کی صورت میں اس بات کو ضرور پیشِ نظر رکھ کر تاوان کا مطالبہ کیا جائے کہ بلاوجہ ضائع نہیں کیا گیا۔ کو شرع مطہرہ نے اس عقد سے متعلق جن معاملات کی وضاحت کی ہے، اس کے مطابق اس معاملے کو قائم کیا جائے، امام احمد رضا نے امانت سے متعلق تحقیقات جو کتاب البیوع، کتاب الوصایا اور کتاب الامانات میں بیان کیں ہیں، ان سے راہ نمائی حاصل کی جائے اور آج کل کے اس نوعیت کے معاملات کو شرعی حدود کے اندر رہ کر قائم کیا جائے،

امام احمد رضا نے وصیت میں جو مسائل امانت کے بیان کیے ہیں کہ جس کو اپنی جائیداد کا نگران بنایا جائے جس پر اپنے مال کی ذمّے داری عائد کی جائے، اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرائض کو دیانت داری سے انجام دے، وہ ان معاملات کا امین ہے۔ نیز روز مرّہ زندگی میں اپنے فرائض کو دیانت داری سے انجام دیا جائے۔

مصادر و مراجع

۱۔ کتاب الفقہ، عبد الرحمٰن الجزیری، ج ۳، ص ۲۱۶، علما اکیڈمی محکمۂ اوقاف پنجاب، ۲۰۰۶ء
۲۔ القرآن الکریم، ۴/ ۵۸
۳۔ القرآن الکریم، ۷۰/ ۳۲
۴۔ القرآن الکریم، ۲۶/ ۱۹۳
۵۔ القرآن الکریم، ۸/ ۲۷
۶۔ جواہر اسلام، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، منور حسین، ص ۳۰۵، مکتبہ صبح نور
۷۔ ایضاً، ص ۳۰۶
۸۔ بہار شریعت، مولانا امجد علی اعظمی
۹۔ کتاب الفقہ، ج ۳، ص ۲۲۷
۱۰۔ ایضاً: ص ۲۳۰
۱۱۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی رضویہ (مع تخریج)، امام احمد رضا بریلوی، ج ۱۹، ص ۱۶۷، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، لاہور، ۲۰۰۹
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۶۶
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۶۸
۱۴۔ ایضاً، ص ۱۶۰
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۶۲
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۶۵
۱۷۔ ایضاً، ۱۶/ ۴۸۹
۱۸۔ ایضاً، ۲۵/ ۶۳۶
۱۹۔ ایضاً، ص ۳۳۳
۲۰۔ ایضاً، ص ۳۳۴
۲۱۔ ایضاً، ص ۴۴۸
۲۲۔ ایضاً، ۲۹/ ۹۳
۲۳۔ ایضاً، ۱۵۴/۱۹
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۵۵
۲۵۔ ایضاً، ص ۱۵۶
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً، ص ۱۵۷
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۵۴
۲۹۔ ایضاً، ص ۱۵۹
۳۰۔ ایضاً، ۱۷/ ۱۰۲

✡ ✡ ✡ ✡ ✡

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد حسن امام

Abstract: Undoubtedly, coming in being of Pakistan was a great event. It was an astonishing revolution according to its effect & conclusions. Actually, Pakistan was neither made because of any need of time & expedience nor a support of any party (Person) or Power and result of conspiracy. But it was achievement of continuous mental and intellectual & practical efforts. Further it was a logical result of continuous events & situation after 1857. Then there is not only a single moment, so many moments and activities were behind this revolution. But this is the reality that religious, political, traditional, cultural, social, economical, psychological activities were also behind the aim of Pakistan was never only to divide Hind (Subcontinent).

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ[1] مذہبیات کے علاوہ سیاست میں بھی بڑی بصیرت رکھتے تھے، اس لیے کہ وہ ایک عظیم مدبر بھی تھے۔ ان کے مندرجہ ذیل محققانہ رسائل نے سیاستِ ملیہ میں اہم کردار ادا کیا اور سیاست دانوں کی رہنمائی کی ہے۔ آپ اگرچہ تحریکِ پاکستان کے وقت باحیات نہیں تھے؛ لیکن آپ اپنے پیچھے اپنے خلفا و تلامذہ مریدین متبعین کی ایسی کثیر تعداد چھوڑ گئے، جنہوں نے تحریک پاکستان میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا اور یہ حضرات آپ ہی کے افکار پر کام کر رہے تھے۔ ذیل میں ان رسالوں کا ذکر کر رہے ہیں جن سے میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدبرانہ سیاست واضح ہوتی ہے۔

۱۔ انفس الفکر فی قربان البقر (۱۸۸۰ء)

۲۔ اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام (۱۸۸۰ء)

۳۔ تدبیر فلاح ونجات واصلاح (۱۹۱۲ء)

۴۔ دوام العیش فی الائمۃ من القریش (۱۹۱۲ء)

۵۔ المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۹۲۰ء)

۶۔ الطاری الداری لھفوات عبد الباری (۱۹۲۱ء)

مذکورہ بالا کتاب ورسائل کے مطالعے کے بعد آپ کا سیاسی مسلک بہت صاف وواضح نظر آتا ہے۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک اس میں نہ کوئی نشیب وفراز آیا اور نہ کوئی لچک پیدا ہوئی۔ غالباً اسی لیے ڈاکٹر محمد اقبال (المتوفّٰی ۱۹۳۸ء) نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ "وہ بڑے غور و فکر سے فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کو رجوع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔"[2]

آپ روزِ اوّل سے دو قومی نظریے کے علم بردار رہے اور آخر تک اس کے لیے کوشاں رہے۔ ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (المتوفّٰی ۲۸/ اپریل ۲۰۰۸ء) نے اپنی کتاب "حیات مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ)" میں لکھا ہے کہ: "آپ کس پایہ کے مدبر و سیاست داں تھے۔ ہنود کی سیاسی چالوں سے بخوبی باخبر تھے، سیاست ملیہ کے ہر اہم موڑ پر آپ نے مسلمانوں کو خبردار کیا۔ ہنود کے چھپے ارادوں اور ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج سے بھی انہیں آگاہ کیا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب قائد اعظم محمد علی جناح اور ڈاکٹر محمد اقبال متحدہ قومیت کی بات کر رہے تھے۔"

آج بھی پاکستان اور ہندوستان میں گائے کی قربانی کو شعائر اسلام میں سے سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو شعائر اسلام میں شمار کیا ہے۔[3] اسلامی سلطنت میں ہندوؤں کے دخیل کار ہونے کی وجہ سے اکبر بادشاہ (ف) نے گائے کی قربانی پر پابندی لگادی تھی۔[4] پھر حضرت مجدد الفِ ثانی (م ۱۰۳۴ھ۔ ۱۶۲۴ء) کی کوشش اور جدوجہد سے جہانگیر بادشاہ کے زمانے پر یہ پابندی اُٹھادی اور قلعہ میں حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں خود جہانگیر نے گائے ذبح کراکے اس پابندی کو ختم کیا۔[5]

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پھر ہندوؤں نے کوشش کی کہ گائے کی قربانی پر پابندی لگادی جائے۔ یہ وہ وقت تھا جب انڈین نیشنل کانگریس کا قیام بھی عمل میں نہ آیا تھا۔ ہندوؤں نے گائے کی قربانی سے متعلق علمائے ہند سے فتوے لیے، مگر مسلمانوں کے پردے میں۔ چنانچہ ۱۲۹۸ھ۔ ۱۸۸۰ء میں مراد آباد (یوپی) سے اعلیٰ حضرت

فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک استفتا آیا جس میں گائے کی قربانی سے متعلق متعدد سوالات تھے۔ آپ نے اس استفتا کا مفصل و محقق جواب دیا؛ لہٰذا آپ تحریر فرماتے ہیں:"ہنود کی بے جاہٹ بجار کھنے کے لیے ایک قلم اس رسم کو اٹھادینا ہرگز جائز نہیں ہے۔"[۶]

مولانا فاضلِ بریلوی کے جواب پر علمائے رام پور نے اپنی تصدیقات ثبت کیں۔ مولانا شبلی نعمانی کے اُستاد مولانا ارشاد حسین رام پوری (م ۱۳۱۱ھ۔ ۱۸۹۳ء) نے اپنے توثیقی دستخط ثبت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:الناقد بصیر (پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے)۔"یعنی مفتی نے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے مستفتی کی اصل منشا و مدعا کو سامنے رکھا فیصلہ صادر کیا ہے۔" اس سوال کا ایک جواب ہندوستان کے مشہور فقیہ مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ۔ ۱۸۸۶ء) نے بھی دیا۔ انہوں نے سوال کے ظاہری پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے سیدھا سادا جواب دیا اور تحریر فرمایا:"گاؤکشی واجب نہیں، تارک گنہگار نہ ہوگا۔"[۷] مگر جب اصل حقیقت کا پتا چلا اور یہ معلوم ہوا کہ اس سوال کا منشاخالص سیاسی ہے تو انہوں نے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہوئے دوسرے فتوے کا یہ جواب دیا:"گاؤکشی کہ اسلام کا طریقۂ قدیمہ ہے، ترک نہ کریں۔"[۸] مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:"مولوی صاحب ہنود کے دھوکے میں آگئے مسلمانوں کے خلاف فتویٰ لکھ دیا؛ تنبیہ پر متنبہ ہوئے۔ یہی سوال میرے پاس بھی آیا تھابفضلہٖ تعالیٰ بہ نگاہ اوّلین مکر مکاران پہچان لیا اور "گربہ کشتن روز اوّل باید" پر عمل وللہ الحمد۔"[۹]

آپ نے جس زمانے میں گاؤکشی کی حمایت میں فتویٰ دیا۔ اس وقت آپ کی عمر مشکل سے ۲۳ سال ہوگی، اس جواں عمری میں یہ سیاسی بصیرت قابلِ توجہ ہے۔ بعد کے حالات نے یہ ثابت کردیا کہ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقبل میں اُٹھنے والے جس طوفان کا اندازہ لگایا تھا وہ صحیح نکلا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۱۹ء میں تحریکِ خلافت کے زمانے میں سیاسی پلیٹ فارم سے ہندوؤں کی خاطر گائے کی قربانی ترک کردینے کا ہندو اور مسلمان دونوں نے مطالبہ کیا۔ صدر کانگریس پنڈت مدن موہن، مالویہ اور صدر مسلم لیگ حکیم اجمل خاں نے اس قسم کے مطالبات کیے جو نہایت حیرت ناک ہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کا پوراپورا حق تھا۔ انہوں نے ایک ہزار سال سے زیادہ کامیاب حکومت کی تھی۔ آپ اس حق سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے تھے، اسی لیے انہوں نے رسالہ "اعلام الاعلام" لکھ کر اپنے موقف کا اظہار کیا۔ رسالہ اعلام الاعلام دراصل ایک فتویٰ ہے جس میں متعدد سوالات کے جوابات ہیں۔[۱۰] یہ استفتا تین سوالات پر مشتمل ہے جو ۱۲۹۸ء میں بدایوں سے مرزا علی بیگ نے بریلی ارسال کیا تھا۔ آپ نے مندرجہ ذیل تین سوالات کے بالترتیب جوابات دیے ہیں:

پہلا سوال: ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟
دوسرا سوال: دورِ حاضر کے یہود و نصاریٰ کتابی ہیں یا مشرک؟
تیسرا سوال: مبتدعین، داخل مرتدین ہیں یا نہیں؟[۱۱]

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:"ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اور علمائے ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارلاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک درکار ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلامیہ کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔"[۱۲]

مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان دارالاسلام تھا[۱۳]۔ جن علما نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر سود کو جائز قرار دیا ان کا تعاقب کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"عجب ان سے جو تحلیل ربوا کے لیے جس کی حرمت نصوص قاطعۂ قرآنیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ گویا یہ بلا اسی دن کے لیے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اُٹھایئے اور بآرام تمام وطن مالوف میں سیر فرمایئے۔ استغفراللہ ! افتومنون ببعض الکتاب

وتکفرون ببعض [۱۴]

ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو غاصبانہ سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ بقدر استطاعت ملک کی آزادی کے لیے کوشش کریں۔ دارالحرب قرار دے کر تو اپنے حق سے عملاً دست بردار ہونا ہے کیونکہ اس طرح ہجرت فرض ہوجاتی ہے اور استخلاص کے لیے کوشش کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ایک ہزار سالہ حکومت کا اتنی جلدی اپنے حق سے دستبردار ہونا نہ قرین عقل ہے اور نہ قرین انصاف۔ پھر یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ انگریزی راج میں ہندوستان دارالحرب ہوسکتا ہے تو ہندوراج میں دارالحرب کیوں نہیں؛ حالانکہ شعائر واحکامِ اسلام پر عمل کرنے میں انگریزوں کی عمل داری میں جو آزادی تھی اب اتنی آزادی نہیں۔ اس سے شک ہوتا ہے کہ فیصلے مصلحت وقت کے تحت کیے گئے اور اس مصلحت نے سیاسی سطح پر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔

اُوپر جو بحث گزری وہ غیر منقسم ہندوستان کو دارالحرب یا دارالاسلام قرار دینے سے متعلق تھی۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہندوستان دارالاسلام تھا۔ رسالہ اعلام الاعلام میں پہلے سوال کا یہ جواب تھا۔ اب دوسرے سوال کے جواب میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: نصاریٰ باعتبار حقیقت لغویہ۔۔۔ بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث وبنوت ہیں۔ اسی طرح وہ یہود جو الوہیت وابنیت عزیر علیہ السلام کے قائل تھے۔ [۱۵]

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے لیکن آخر میں اپنا یہی فیصلہ دیا ہے کہ: ”احتیاط اسی میں ہے کہ انصاریٰ کے نساء وذبائح سے احتراز کرے اور آج کل بعض یہود ایسے پائے جاتے ہیں جو عزیر علیہ السلام کی ابنیت مانیں تو ان کے زن وذبیحہ سے بھی بچنا لازم جانیں۔“ [۱۶]

اوائل بیسویں صدی میں ترکی میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اثر فطری طور پر ہندوستان کے مسلمانوں پر ہوا اور مسلمانوں کی اکثریت اس کی لپیٹ میں آگئی۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا بے پناہ جوش وجذبہ کا مظاہرہ کیا گیا اور ہندوستان کے طول وعرض میں زندگی کی ایک عجیب لہر پیدا ہوگئی۔ مگر اس تحریک کا المیہ یہ تھا کہ ظاہر میں جو کچھ دکھایا گیا اندرونِ خانہ کچھ اور ہی تھا۔

ہندوؤں کے مذہبی اور سیاسی پیشوا مسٹر گاندھی (المتوفّٰی ۱۹۴۸ء) نے اس جذباتی سیلاب کو غنیمت جانا۔ تحریکِ خلافت میں شامل ہو کر پہلے مسلمانوں کے دل موہ لیے، پھر ۱۹۲۰ء میں اچانک تحریکِ ترکِ موالات شروع کرکے جذبات کا دھارا دوسری طرف موڑ دیا اور ہندومسلم اتحاد کا راگ الاپا جس سے دیکھتے ہی دیکھتے کانگریس کو حیاتِ نو ملی اور مسلمانوں کو مذہبی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، مذہبی، تہذیبی اور سیاسی نقصانات اُٹھانے پڑے۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی تحریکِ خلافت میں عملاً شامل نہ ہوئے اس کی کئی وجوہات ہیں:

۱۔ ان کی زندگی کا آخری دور تھا اور وہ سخت بیمار تھے۔

۲۔ سلطنتِ ترکی کو خلافتِ شرعیہ، قرار دینے پر ان کو تحریکِ خلافت کے پیشواؤں سے فقہی اختلاف تھا۔

۳۔ تحریکِ خلافت کے سیاسی طریقۂ کار سے بھی ان کو اختلاف تھا اور وہ اس کو مسلمانوں کے لیے سخت مضر سمجھتے تھے۔

۴۔ ان کو یقین تھا کہ بعض تجربہ کار سیاست داں، سادہ لوح مسلمان لیڈروں اور مسلمانوں کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور تحریک کے جو مقاصد بتائے جارہے ہیں حقیقتاً وہ مقاصد نہیں اور اصل مقصد مسلمانوں کو قربان کرکے ”سوراج“ حاصل کرنا ہے۔

۵۔ وہ ترکوں کی امداد کا اپنا علیٰحدہ پروگرام اور منصوبہ رکھتے تھے۔ [۱۷]

حقیقت تو یہ ہے کہ جب جذباتی دور میں عقل مغلوب ہوجاتی ہے اور حکمت و دانائی کی باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں بلکہ بعض اوقات ایسی باتیں دانا وحکم کو عوام الناس کی نظر میں مجرم بنادیا کرتی ہیں، لیکن جب جذبات ٹھنڈے پڑتے ہیں اور حقیقتیں سامنے آتی ہیں تو پھر وہی سچ معلوم ہوتا ہے جسے جھوٹ کہا گیا تھا۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کی اسی نفسیات کے پیشِ نظر ”خلافت شرعیہ“ کے لیے قید ”قرشیت“ کی بحث کو آئندہ کے لیے اُٹھا رکھا اور ان جذباتی فتووں کو ٹھنڈے دل سے برداشت کیا جو ”سلطنت ترکیہ کو خلافت شرعیہ نہ سمجھے“ اور جو سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین نہ مانے وہ کافر ہے۔ دیکھا جائے تو ان

جذباتی فتوؤں کی زد میں خود مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آرہے تھے۔

مسئلۂ خلافت و قرشیت کے سلسلے میں فرنگی محل سے کئی سوالات آئے۔ ۱۳۳۰ھ میں مولانا عبدالباری فرنگی محل کے خطبے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے رسالہ جزیرۃ العرب کے بارے میں استفسارات آئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے خلافت کے لیے قید شرعی "قرشیت" کو رد کر دیا تھا۔ سلطان ترکی قرشی نہ تھے اس لیے قرشیت کو رد کرکے ان کی سلطنت کو خلافت شرعیہ اور ان کو خلیفہ شرعی قرار دینا تھا[۱۸] بہر کیف مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا استفسارات کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا:

دوام العیش فی الائمۃ من قریش، (۱۹۲۰ء)

اس رسالے کو ایک مقدمہ اور تین فصل پر ترتیب دیا۔ ابھی تیسری فصل کی مبحث سوم کی ابتدا ہی ہوئی تھی، کہ آپ دوسرے کاموں میں مشغول ہوگئے اور اس خیال کو چھوڑ دیا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا جب وقت آئے گا مکمل کرکے طبع کرادیا جائے گا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ ایک سال کا مزید انتظار کرنے کے بعد جب خلافت کی حقیقت اور تحریکِ خلافت کے چھپے مقاصد ظاہر ہوگئے اور سلطنت ترکیہ ختم ہوگئی تو ۲۵ر ربیع الاوّل ۱۳۴۱ھ کو مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نے یہ رسالہ مطبع حسنی، بریلی سے چھپوا کر شائع کیا اور اس پر ۱۴ صفحات کی ایک تمہید لکھی جس میں تحریکِ خلافت اور خاتم خلافت کا جائزہ لیا گیا ہے[۱۹]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو سوچا تھا صحیح ثابت ہوا۔ "رسالہ دوام العیش" جن استفسارات کے جواب میں لکھا گیا ان کی تفصیل مندرجہ ذیل سطور میں دی جارہی ہے:

۱۔ سلطان عثمانیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں۔

۲۔ فرضیت اعانت کے لیے بھی سلطان کا قرشی ہونا شرط ہے یا صرف خلافتِ شرعیہ کے لیے یا کسی کے لیے نہیں؟

۳۔ مولوی فرنگی محل کے خطبۂ صدارت میں اس کے متعلق چند سطور ہیں اور مسٹر ابوالکلام آزاد نے رسالہ مسئلہ خلافت جزیرۂ عرب میں صفحہ ۳۲ سے ۷۰ تک حسب عادات اسے بہت پھیلا کر بیان کیا ہے ان دونوں کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ خلافتِ شرعیہ میں بھی قرشیت شرط نہیں۔ یہ صحیح ہے یا غلط اور اس کے بارے میں مذہب اہلِ سنّت کیا ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "سلطنت ملیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ، نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنت اسلام، نہ صرف سلطنت، ہر جماعتِ اسلام، نہ صرف جماعت، ہر فرد اسلام کی خیر خواہی، ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنیٰ؟ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے۔۔۔ البتہ اہلِ سنّت کے مذہب میں "خلافت شرعیہ" کے لیے، ضرور "قرشیت" شرط ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں ہیں۔ اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہلِ سنّت کا اجماع ہے، اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔ کتبِ عقائد وکتبِ حدیث وکتبِ فقہ اس سے مالا مال ہیں۔ بادشاہِ غیر قرشی سلطان، امام، امیر، والی، مَلِک سے کہیں گے، مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفاً اُسی کا مترادف ہے، ہر بادشاہ قریشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوا اس کے جو ساتوں شروطِ خلافت: (۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) حریت (۵) ذکوریت (۶) قدرت (۷) قرشیت۔ سب کا جامع ہو کر عام مسلمانوں کا فرمارواے اعظم ہو۔"[۲۰]

اس وضاحت کے بعد خلفاء اسلام کی تاریخ کا مؤرخانہ اور محققانہ اجمالی جائزہ پیش کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہر دور میں "قرشیت" کو خلافتِ شرعیہ کی شرط تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ بحث صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۲۵ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد مقدمے میں "خلیفہ" اور "سلطان" کے فرق کو واضح کیا ہے اور شرائط و لوازمات خلافت کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

۱۔ خلیفہ حکمرانی و جہانبانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب مطلق، تمام اُمّت پر ولایت عامّہ والا ہے۔[۲۱]

۲۔ خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت الٰہی میں تمام اُمّت پر فرض ہے جس کا منشا خود اس کا منصب ہے۔[۲۲]

۳۔ خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا، حقیقۃً فرض ہوگیا، جس مباح سے منع کیا حقیقۃً حرام ہوگیا۔[۲۳]

۴۔ خلیفہ ایک وقت میں تمام جہاں میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین، دس ملکوں میں دس۔[۲۴]

۵۔ کوئی سلطان اپنے انعقادِ سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان، اذن خلیفہ کا محتاج ہے۔[۲۵]

۶۔ خلیفہ بلاوجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کیے سے معزول نہیں ہو سکتا۔[۲۶]

۷۔ سلطنت کے لیے قرشیت، درکنار، حریت بھی شرط نہیں، بہتیرے غلام بادشاہ ہوئے۔[۲۷]

اس مقدمے کے بعد فصلِ اوّل قائم کی ہے جس میں احادیث متواترہ، اجماع صحابہ و تابعین وائمہ اُمّت و مذہب اہلِ سنّت سے شرط "قرشیت" کا ثبوت پیش کیا ہے، اس سلسلے میں پہلے کتب عقائد کے حوالے دیے۔ اس طرح تقریباً پچاس (۵۰) حدیثیں اور کتب عقائد، تفسیر، حدیث، فقہ کی بانوے ۹۲ عبارتیں پیش کی ہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ دوام العیش ۱۹۲۰ء میں تحریر فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تحریکِ خلافت کے حامی سلطنت ترکیہ کو خلافت شرعیہ نہ سمجھنے والوں اور سلطان ترکی عبدالحمید خان کو خلیفہ شرعی نہ کہنے والوں کو کافر کہہ رہے تھے۔ پھر ۱۹۲۲ء میں وہ دور آیا جب ترکی کے مسلمانوں نے خود اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ نہ وہ سلطان عبدالحمید کو خلیفہ شرعیہ سمجھتے تھے نہ ان کی سلطنت کو خلافتِ شرعیہ۔

اخبار ہمدم (لکھنؤ) کی یہ خبر ملاحظہ ہو: "جمعیت عالیہ ملیہ انگورہ نے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں سلطان المعظم کو معزول کر دیا ہے کہ اب ترکی میں حکومت کی صورت جمہوریہ کے ہم معنیٰ ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے بجائے دولت ترکیہ جمہوریہ کا اعلان کر دیا ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ترکی کا نام آئندہ بجائے سلطنت عثمانیہ دولت ترکیہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"[۲۸]

تحریکِ خلافت کے جذباتی زور شور پھر اس کے المناک انجام پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں لکھتے ہیں: "انسان کو چاہیے کہ بات کہنے اور کام کرنے سے پہلے اس کے مال وانجام پر نظر رکھے۔ جس کا آخر حسن ہوا سے اختیار کرے ورنہ نہیں، تیرہ سو برس کے اجماعی اتفاقی مسئلہ میں اختلاف کا حاصل ہوائے تشتت اور افتراق بین المسلمین میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔"[۲۹]

آگے چل کر ایک اور جگہ لکھتے ہیں: کچھ فائدہ تو نہ پہنچا سکے ہاں مسلمانوں اور خود ترک بھائیوں پر لعن طعن کی بوچھاڑ کا ایک حربہ نصاریٰ کے ہاتھ میں دے دیا۔ لیڈر تو ہم غرباءِ اہل سنت کو نصاریٰ کا طرف دار و رشوت خوار اور ترکوں کا دشمن بتاتے تھے اگر نگاہ انصاف ہو تو آنکھیں کھولیں۔[۳۰]

تحریکِ خلافت کے پردے میں ہندو سوراج کا جو خواب دیکھ رہے تھے وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا حالانکہ ۱۹۲۰ء میں تحریکِ خلافت کے ساتھ ساتھ تحریکِ ترکِ موالات بھی شروع کی گئی مگر یہ دونوں تحریکیں جس بنیاد پر چلائی جا رہی تھیں وہ سلطان عبدالحمید کی سلطنت تھی جس کو خلافت شرعیہ بنا کر دکھایا گیا تھا مگر غازی مصطفیٰ کمال پاشا المتوفی (نومبر ۱۹۳۸ء)[ف] نے اس کو ختم کر کے یہ بتا دیا کہ یہ خلافت شرعیہ نہ تھی بلکہ محض سلطنت اسلامیہ تھی۔ اس غیر متوقع حادثے نے ہندوستان میں تحریکِ ترکِ موالات کو بے جان کر دیا۔ ۱۹۲۲ء میں جب ترکی میں سلطان عبدالحمید کی سلطنت ختم کی گئی ہندوستان میں مسٹر گاندھی نے تحریکِ ترکِ موالات ختم کر دی اور سوراج کا وہ مقصد وحید حاصل نہ ہو سکا جس کے لیے در پردہ کوششیں کی جا رہی تھی۔ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں نے ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے فصل الخلافۃ (۱۹۲۲ء) اور لقب ہے سوراج در سوراج۔[۳۱] اس رسالے میں مسئلۂ خلافت اور ترکوں کے ہاتھوں خاتمۂ خلافت پر بحث کی ہے۔ طرق الھدی والا رشاد الی احکام الامارۃ الجہاد[۳۲] اس رسالے میں بھی مسئلۂ خلافت و جہاد، ہندو مسلم اتحاد، ترکِ موالات، فتنۂ ارتداد اور گاؤ کشی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

(جاری ہے۔۔۔)

حوالہ جات

۱۔ آپ کی پیدائش ۱۸۵۶ء میں بریلی، انڈیا میں ہوئی۔ آپ کے آباواجداد قندھار سے ہجرت کر کے پہلے ملتان پھر بریلی تشریف لے گئے۔

۲۔ "مولانا امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور

وفکر کے بعد کرتے تھے۔" (تاثرات ڈاکٹر اقبال بحوالہ ڈاکٹر احمد علی مرحوم، یکم اگست ۱۹۶۸ء)

۳۔ احمد سرہندی: مکتوبات امام ربانی، اول، حصہ دوم، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۲۳ھ، مکتوب نمبر ۶۵۰۔

(ف): جلال محمد اکبر ابن ہمایوں، خاندان مغلیہ کا تیسرا حکمران (۱۵/اکتوبر ۱۵۴۲ء تا ۱۷/اکتوبر ۱۶۰۵ء)

۴۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، جلد دوم، مطبوعہ ۱۹۶۲ء، ص ۴۹۸۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ احمد رضا خاں: انفس الفکر فی قربان البقر، مطبوعہ بریلی (انڈیا)، ص ۹۔

۷۔ احمد رضا خاں: انفس الفکر فی قربان البقر، مطبوعہ بریلی (انڈیا)، ص ۱۰۔

۸۔ احمد رضا خاں: انفس الفکر فی قربان البقر بحوالہ مجموعہ فتاویٰ، جلد دوم، ص ۱۴۸، ۱۵۵۔

۹۔ (الف) محمد سلیمان اشرف، النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۲۔

(ب) خدا بخش اظہر، مسلم لیگ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۰ء۔

(ج) محمد عبدالقدیر، ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام، مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۲۵ء، ص ۱۔

۱۰۔ مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے "دواہم فتوے" کے عنوان سے ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔

(الف) احمد رضا خاں بریلوی: اعلام الاعلام بان ہندوستان دارسلام (۱۳۰۶ھ) مطبوعۂ حسنی پریس، بریلی۔

(ب) اشرف علی تھانوی: تجزیہ الاکوان عن الربوانی الہندوستان (۱۳۰۷ھ۔۱۸۸۱ء، مطبوعہ المبائع، تھانہ بھون، یہ مجموعہ ۱۹۷۷ء میں لاہور میں شائع ہوا)۔

۱۱۔ احمد رضا خاں، اعلام الاعلام، ص ۲ تا ۸۔

۱۲۔ احمد رضا خاں، اعلام الاعلام ۱۹۲۰ء، ص ۲۔

۱۳۔ عبدالحی لکھنوی، مجموعہ فتاویٰ مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۴۰ھ۔۱۹۲۱ء، ج ۱، ص ۳۰۲۔

۱۴۔ احمد رضا خاں، اعلام الاعلام بریلی، انڈیا ۱۹۲۰ء، ص ۷۔

۱۵۔ اعلام الاعلام، بان ہندوستان دارالاسلام ۱۸۸۰ء، ص نمبر ۱۰۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی۔

۱۸۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی۔

۱۹۔ احمد رضا خاں، دوام العیش فی ائمۃ من قریش، مطبوعہ بریلی، ص ۱۲۔

۲۰۔ احمد رضا خاں، دوام العیش فی ائمۃ من قریش، مطبوعہ بریلی، ص، ۱۴۔

۲۱۔ احمد رضا خاں، دوام العیش فن ائمۃ فی ائمۃ من قریش، مطبوعہ بریلی، ص ۲۵

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۵۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۵۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۶۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۶، ۲۷۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۲۸۔ اخبار ہمدم، (لکھنؤ) شمارہ / نومبر ۱۹۲۲ء مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں:

منور حسین، الملفوظات امیر ملت، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۱۔

۲۹۔ احمد رضا خاں، دوام العیش فی ائمۃ من قریش (تمہید از محمد مصطفیٰ رضا خاں) ص ۱۰۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۳۱۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، فصل الخلافۃ، مطبوعہ مطبع حسنی پریس، بریلی، انڈیا۔

۳۲۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، طرق الہدیٰ، مطبوعہ حسنی پریس، بریلی، انڈیا۔

مبارکباد!

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کے جملہ اراکین ڈاکٹر سلیم اللہ جندران صاحب کو

"The Selection of Poetry for Inclusion into English Compulsory Curriculum Grade 6 to 10"

(انگریزی لازمی نصاب جماعت ششم تا دہم میں شمولیت کے لیے شاعری کا انتخاب) پر پی ایچ ڈی کی ڈگری ایوارڈ ہونے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

کَلَامُ الْاِمَامِ اِمَامُ الْکَلَامِ ۔ کَلَامُ الْمَلِکِ مَلِکُ الْکَلَامِ

محمد حسن علی رضوی (میلسی، پنجاب، پاکستان)

امام احمد رضا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اللہ عزوجل و رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے دیوبندیوں کا شرعی حکم علی الاعلان بیان کر دیا۔ مخالفین اپنے اکابرین کی کفریہ عبارتوں کا بوجھ نہ اٹھا سکے تو انھوں نے امام احمد رضا کی شخصیت پر جھوٹے اعتراضات کیے۔ علمائے اہلِ سنت نے ایسے ہر اعتراض کا بھرپور محاسبہ کیا۔ علما کے ان جوابات سے امام احمد رضا کی تحریروں کی علمی اور تحقیقی شان مزید ظاہر ہوئی۔ پیشِ نظر مضمون ایسے ہی اعتراضات پر مشتمل "دھماکہ" نامی کتاب کے ردِّ عمل میں تحریر کیا گیا اور ایک مدلل جواب ہونے کے ساتھ امام احمد رضا کی نعتوں میں موجود آیات و احادیث کے ایک موجزن دریا کی نشاندہی کر رہا ہے۔ (عبید)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ جن کی جلالتِ علمی پر اپنے بے گانے رشک کرتے ہیں۔ ان کی تصانیف میں علم و تحقیق کے بادل گرج رہے ہیں۔ ان کے علمی، دینی کارناموں پر عرب و عجم جھوم رہے ہیں، جن کی ایمان افروز وجد آور اور کیف و سرور سے بھرپور نعتیہ شاعری سے اربابِ عشق و محبت کے مے کدے آباد ہیں، جن کے شاعرانہ ادب کی پختہ کاری کا لوہا اقبال و حفیظ جالندھری، محسن کاکوروی، ضیاء القادری، اکبر وارثی جیسے مشاہیر زمانہ شعرا نے مانا؛ جو تحدیثِ نعمت کے طور پر خود فرماتے ہیں۔

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اُسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

یہ اعلیٰ حضرت کا کلام ہے، جو آدابِ شریعت کی پابندی، زبان کی پاکیزگی، محاورات کی لطافت، الفاظ کی وضاحت، کلام کی بلاغت، عبارت کی رنگینی مضامین کی دلکشی و بلندی تشبیہات کی عمدگی اور استعارات کی خوبی سے مزیّن ہے؛ جن کا کوئی شعر ایسا نہیں جس کا ثبوت آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ اقوالِ آئمہ واصفیا سے نہ ملتا ہو۔ اگر کسی کو نہ ملے تو یہ اس کی اپنی علمی بے بضاعتی ہے۔ حدائقِ بخشش کا سنِّ اشاعت ۱۳۲۵ھ ہے۔ گویا آج پورے ستّر سال ہوتے ہیں۔ اس دوران سینکڑوں مناظرے ہوئے اور ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، لیکن مشاہیر و اکابر دیوبند میں سے کسی کو اعلیٰ حضرت کے کسی شعر پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آج ستّر سال بعد "دھماکہ" کا گمنام مصنف اعلیٰ حضرت کے اشعارِ مبارکہ پر بزعم خود معترض ہوا ہے۔

ہوا مینڈ کی کو زُکام اللہ اللہ

کہتے ہیں کہ ایک مصنّف "دھماکہ" جیسے بزعم خود بہت بڑے ادیب و شاعر تھے۔ کسی نے ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کا مطلب پوچھا۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

تو اس نے جھٹ کہا کہ خودی کو اتنا بلند کرتا چلا جا کہ تقدیر کے اوپر جا چڑھ اور وہاں پہنچ کر جب تجھے سردی لگنے لگے تو پھر خدا خود تیرے سے پوچھے گا بتا تیری رضائی کہاں ہے؟ یہی حال مصنّفِ "دھماکہ" کا ہے

ع ماروں گھٹنا پھوڑے آنکھ

اعلیٰ حضرت کا شعر ہو سیدنا عثمان غنی ذوالنّورین رضی اللہ عنہ کی شان میں اس کو نانوتوی کے چھوٹے بھائی غلام احمد قادیانی کی احمدی مسجد کے زاہدوں کی شان میں نظر آتا ہے۔

آہ اس شوخ ستم گار سے جس کی آنکھیں
ذوق رکھتی ہیں ڈھٹائی سے بدل جانے کا

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اشعارِ مبارکہ پر تنقید و تبصرہ کے ابتدائیہ میں "خدا تعالیٰ کے بارے میں" کا عنوان جما کر مذہبِ اسلام یہ بتایا ہے اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور لاشریک ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ حادث ہے مخلوق ہے اور ممکن الوجود ہے اور واجب الوجود اور کوئی نہیں۔ نہ ممکن الوجود سے بالا کوئی برزخی درجہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس میں بعض باتیں تو ایسی ہیں جن پر نہ تو کسی کو اعتراض ہے

نہ انکار ہے، لیکن بعض باتیں وہمی خیال ہیں۔ اگرچہ مصنّفِ دھماکہ نے ان کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا، لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ بحوالہ کتب یہ بھی بیان کردیا جاتا کہ کس نے کہا کہ بشریّت کے پردے میں خدا زمین پر اتر پڑا۔ کس نے کہا خدا کسی کا ماتحت ہے کس نے کہا خدا پر کسی کا رعب ہے۔ کس نے کہا خدا تعالیٰ نے اپنے اختیارات کسی مخلوق کو مستقل طور پر دے رکھے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی کا چارج کسی کو دے دیا ہے۔ یہ سب وہابیانہ چکر بازیاں ہیں کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے۔

کاش مصنّف اپنا اور اپنے مخاطب کا عقیدہ بحوالۂ کتبِ معتبرہ بیان کرتا اور پھر کوئی تبصرہ کرتا تو بھی کوئی بات تھی، لیکن مصنّف نے ایسا نہیں کیا اور فرضی باتوں سے اپنا جی بہلایا اور کچھ نہیں سوجھا تو یہ دے مارا کہ ”بریلوی مذہب (بشریّت کے پردے میں خدا)“ خط کشیدہ الفاظ کو بریکٹ میں نامعلوم کون سے ادبی ضابطے کے تحت بند کیا ہے۔ بریکٹ میں وہ الفاظ ہوتے ہیں جن کے پہلے الفاظ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے۔ خیر اس سُرخی کے ضمن میں لکھا ہے ”بریلوی عقیدہ میں حضور علیہ السلام خدا کے نور کا ٹکڑا تھے جو بشریّت کے پردہ میں زمین پر اترا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب حضور علیہ السلام کو مخاطب کرکے کہتے ہیں ؎

اٹھادو پردہ دکھادہ چہرہ کہ نورِ باری حجاب میں ہے

(حدائق بخشش، حصّۂ اوّل، ص۸۰)

اور خود ہی تشریح بھی کردی۔ بشریّت کے پردہ میں آپ باری تعالیٰ کا نور ہیں پردہ اٹھادیں تو واضح ہوجائے گا کہ آپ خود خدا ہیں۔“ (دھماکہ، ص۲۸) دیکھا آپ نے مصنف نے کس قدر بے ایمانی اور دجل سے کام لیا ہے دعوٰی تو سرخی میں یہ کیا گیا ہے کہ:

ا۔ بریلوی مذہب میں بشریّت کے پردے میں خدا۔

۲۔ حضور علیہ السلام خدا کے نور کا ٹکڑا تھے۔ بشریّت کے پردے میں زمین پر اُترا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ بات بلا دلیل وثبوت ہے دو متضاد نظریات علمائے بریلی کے ذمّے لگائے جارہے ہیں۔ پہلے فقرے میں تو مصنّف یہ کہتا ہے کہ بریلوی عقیدہ یہ ہے کہ بشریّت کے پردے میں خدا اور دوسرے فقرے میں مصنّف کہتا ہے خدا کے نور کا ٹکڑا۔ علمائے بریلی کی کتب میں تو یہ دونوں ہی باتیں کہیں نہیں ملتیں۔ مگر مصنّف کو کم از کم اتنا تو چاہیے کہ بیک وقت دو متضاد الزام تو عائد نہ کرے۔ جب اس کے بقول علمائے بریلی بشریّت کے پردے میں خدا مانتے ہیں تو پھر خدا کے نور کا ٹکڑا کا کیا مطلب؟ یہ مصنّفِ دھماکہ کا اندھاپن اور عقل وشعور و شرم وحیا سلب ہونے کی علامت ہے کہ بلا دلیل وثبوت متضاد الزام لگا کر اپنی آتشِ انتقام کا مظاہرہ کررہا ہے۔ اگر علمائے بریلی کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسّلام خود خدا ہیں تو خدا کے نور کا ٹکڑا کون کہہ رہا ہے اور اگر نور کا ٹکڑا علمائے بریلی کا عقیدہ ہے تو خود خدا کون مانتا ہے؟ اور علمائے بریلی کا یہ عقیدہ کہاں مذکور ہے؟ اور ”اٹھادو پردہ دکھادو چہرہ کہ نورِ باری حجاب میں ہے“ میں یہ کس لفظ کا معنٰی ہے کہ آپ خود خُدا ہیں؟ اس ڈھٹائی اور سینہ زوری کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے۔ کچھ تو شرم اور غیرت چاہیے۔ ایک عام فہم مصرعہ میں اس قدر خیانت آمیز مغالطہ دیا جاتا ہے تو دقیق اشعار میں کیا کچھ بے ایمانی نہ ہوگی اور اس شعر کہ ؎

شکلِ بشر میں نورِ الٰہی اگر نہ ہو
کیا قدر اس خمیرۂ مادومدر کی ہے

(حدائق بخشش، ص۹۴)

کی تشریح میں یہ خدا کا اپنا نور ہے، کس لفظ کا معنٰی ہے؟ اس کا تو صاف اور سیدھا معنٰی یہ ہے بشر کی شکل میں اگر اللہ کا نور نہ ہو تو اس خمیرہ کی کیا قدر تھی جو مٹی اور پانی سے بنا۔ گویا کہ مصنف کو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی کہے بشر کی قدر حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے میں ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے نور ہیں یا نہیں؟

عبدالرّزاق نے اپنی ”مسند“ میں حضرت سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کی حضور پر نور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یَا جَابِرُ اِنَّ اللہَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُّوْرِہٖ۔ اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان سے پہلے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ ممکن ہے اس حدیث کو مصنّفِ دھماکہ وہابیّت کا دورہ پڑنے کے باعث خانہ ساز دودھ کے انداز میں خانہ ساز حدیث قرار نہ دے۔ یہ واضح کرتا چلا جاؤں اور اس کے لیے کہیں جائے فرار نہ چھوڑوں کہ یہ وہابیّت شکن حدیثِ پاک دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی

صاحب تھانوی نے "نشر الطیب" ص۵ پر نقل فرمائی ہے۔ اس میں نور نبیك من نوره صاف طور پر نظر آرہا ہے۔ مصنّف دھاکہ کو ڈبل شیشہ والی عینک لگانے کی ضرورت نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگر کوئی سنّی مسلمان بریلوی صاحب ایمان اپنے آقاو مولیٰ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ خدا یا اللہ تعالیٰ کا نور کہہ دے تو دیوبندیوں کے کفر و شرک کی ہنڈیا میں اُبال آجاتا ہے حالانکہ خود بانیٔ مدرسۂ دیوبند مولوی قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں۔

کہاں وہ رتبہ کہاں عقلِ نارسا اپنی
کہاں وہ نورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار

(قصائد قاسمی، ص۵)

لیکن اگر یہ خود اپنے کانگریس کے ڈھنڈورچی مولویوں کو اللہ تعالیٰ کا نور قرار دیں تو کوئی قباحت نہیں اور کفر و شرک کے سارے فتوے سرد خانہ کی نذر ہو جاتے ہیں ملاحظہ ہو: "یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ قطب الاقطاب جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے انوار میں سے ایک نور تھے۔" (خدام الدین، لاہور ۲۴/ مئی ۱۹۶۲ء، ص۱۰) یہ دیوبندیوں کی انصاف پسندی جوبات نبی کے لیے شرک و کفر تھی اپنے مولوی کے لیے ایمان و اسلام قرار پاگئی۔ احمد علی کو نورِ خدا کہا تو شرک و کفر کے سارے فتوے بھول گئے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان کے دل میں انبیاورسل علیہم السلام کی عزّت و توقیر اپنے مولویوں جتنی بھی نہیں۔

امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ایک شعر ہے۔

معدنِ اسرارِ علام الغیوب
برزخِ بحرین امکان و وجوب

اس شعر کے سمجھنے میں مصنّف دھاکہ کو ٹھوکریں کھانا پڑیں حالانکہ اس کا سیدھا سادا مطلب فقط اس قدر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علام الغیوب (خدا تعالیٰ) کے اسرار کی کان ہیں اور ذات واجب الوجود اور ممکن الوجود مخلوق کے درمیان برزخ یعنی وسیلہ ہیں اور اس کی تفصیل اعلیٰ حضرت ہی کے ایک دوسرے شعر میں ہے۔ فرماتے ہیں: ۔

حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالمِ امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِّ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

یعنی عالمِ امکاں میں عام نہیں ہمارے تمہارے جیسے نہیں، بلکہ شاہ ہیں اور الٰہ نہیں بلکہ عبد الٰہ ہیں۔ بتایئے اس میں کونسا شرک ہے، کون سا کفر ہے اور اس پر دلیل کیا ہے؟ مزید فرماتے ہیں۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیّت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں!

بلا شبہ یہ مقامِ حیرت ہے عظمت و شانِ رسالت ہماری فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ ممکن میں یہ قدرت کہاں کہ ڈوبے سورج کو واپس کریں، چاند کے دو ٹکڑے کریں، انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کریں، پتھروں سے کلمہ پڑھوائیں؛ مگر سرکار ایسا فرمارہے ہیں۔ اور واجب (خدا تعالیٰ) میں عبدیّت کہاں یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بندہ واجب الوجود ہو واجب میں عبدیّت نہیں۔ مگر سرکار عبدِ الٰہ ہیں اور اپنے رب کے عبادت گزار ہیں۔ لہٰذا نہ سرکار عالم ہیں عالم ہیں نہ ہی واجب الوجود ہیں بلکہ ۔

برزخ ہیں وہ سّرِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مصنّفِ دھاکہ نے ص۲۸ پر لکھا ہے "جب آپ خالق بھی نہیں تو مخلوق بھی نہیں تو آخر ہیں کیا۔"؟ اور ص۳۰ پر ہے کہ "بریلوی مذہب والوں کو یہ اعتراف ہے کہ حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں وہ کسی قطعی اور یقینی عقیدے پر نہیں۔" ہم کہتے ہیں۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنے بیگانے ذرا پہچان کر

آپ یہ بات مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب سے پوچھیں وہ کہتے ہیں۔

رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریّت
نہ جانا کچھ بھی کسی نے بجز ستّار

(قصائد قاسمی، ص۶)

یعنی (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے جمال پر بشریّت کا حجاب رہا اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ جان سکا اور لکھتے ہیں۔

ع۔ رغ عقل ہے گو اس کے نور کے آگے
زبان کا منہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار

مصنّفِ دھاکہ کو معلوم ہے کہ یہ عظمت و شان رسالت کا معاملہ ہے یہاں تو بانیٔ مدرسۂ دیوبند کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ

حضور ﷺ کو بجز ستّار (اللہ تعالیٰ) کے کوئی بھی نہ جان سکا اور ان کی خود کی عقل بھی "ع غ ہے گل اس کے نور کے آگے۔" تو پھر آپ ایک دیوبندی ہو کر اپنی عقل کی کمند سیّد الانبیا حبیبِ خدا ﷺ پر ڈالنے کی ناکام کوشش کیوں کرتے ہیں اور بریلویوں کو کیوں موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کے بارے میں کسی قطعی یقینی عقیدے پر نہیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خالق بھی نہیں، مخلوق بھی نہیں تو کیا ہیں۔ اس کا بہتر جواب بانی مدرسۂ دیوبند نانوتوی صاحب نے "قصائدِ قاسمی" میں دیا ہے۔

کہاں وہ رُتبہ، کہاں عقلِ نارسا اپنی
کہاں وہ نورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار

(قصائد قاسمی، ص۵)

اعلیٰ حضرت نے اپنے اشعارِ مبارکہ سے حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نورِ الٰہی کہہ دیا تو مصنّفِ دھماکہ نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ دیکھیے اب مولوی قاسم نانوتوی پر کیا بلا نازل فرماتے ہیں۔ وہ مندرجہ بالا شعر میں حضور ﷺ کو نورِ خدا کہہ رہے ہیں۔

اوّل و آخر کی بحث

"دھماکہ" کے بے بصیرت مصنّف نے اپنی محدود سوجھ بوجھ کے مطابق سیّدنا اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت رضی اللہ عنہ اور آپ کے شہزادۂ والا جاہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا صاحب نوری رضوی قدس سرّہ کے اِن اشعارِ مبارکہ پر بھی اعتراض کیا ہے جن میں اوّل و آخر کا الفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اشعار یہ ہیں۔

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل و آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

ظاہر و باطن اوّل و آخر زیبِ فروغ زین اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گل غنچہ جڑ پتی شاخ

(حدائقِ بخشش، حصہ اوّل، ص۲۵)

هُوَالْاَوَّلُ هُوَالْاٰخِرُ هُوَالظَّاهِرُ هُوَالْبَاطِنُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ لوحِ محفوظِ خدا تم ہو

نہ ہو سکتے ہیں دو اَوّل نہ ہو سکتے ہیں دو آخر
تم اوّل اور آخر ابتدا تم انتہا تم ہو

مصنّفِ "دھماکہ" نے ص۲۹ اور ۳۰ پر یہ اشعار نقل تو کر دیے ہیں، لیکن نہ اس کو یہ سمجھ کہ کونسا شعر حبیبِ خدا ﷺ کی نعت میں ہے اور پھر ہم سمجھتے ہیں مصنّف کی یہ محنت یوں برباد گئی کہ ان اشعار کو دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں غلط ثبات نہ کر سکا۔ البتہ ص۲۹ پر قرآنِ کریم کی آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (پ۲۷، الحدید) کو "اللہ تعالیٰ کی شان ہے" لکھا ہے۔ گویا مصنّف کی اس تحریر سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اوّل و آخر ہونا اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اس لیے اوّل و آخر کا اطلاق دوسرے پر ناجائز ہے۔ اس کے متعدد جواب ہیں:

اوّل مصنّف نے شعر سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے اس کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا یہ شعر۔

وُہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

کس کے متعلق ہے اس کا اندھا تعصّب اس کو کچھ سوجھنے نہیں دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ شعر حق تبارک وتعالیٰ کے متعلق ہے کہ وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن یعنی اللہ تعالیٰ اس کی دلیل کیا ہے۔ اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے۔ اگر اوّل و آخر کے الفاظ پر مشتمل ہے پہلے مصرعہ سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک کو لیا جائے جیسا کہ مصنّفِ دھماکہ نے سمجھا تو پھر شعر کا سارا مفہوم ہی بدل جاتا ہے اور مصرعہ ثانی اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ معراج پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بجائے خود حق سبحانہ وتعالیٰ تشریف لے گئے تھے۔

یہ ہے دیوبندیوں کی شعر فہمی۔ بھلا جس شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ شعر میں کس لفظ کی ضمیر کس کی طرف پلٹتی ہے وہ اپنی کم علمی وبے بضاعتی کا ماتم کرنے کی بجائے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی پر اعتراض کر رہا ہے اور اس شعر کے مفہوم کا حلیہ بگاڑ کر لکھتا ہے: "آپ (یعنی رسول پاک ﷺ) خود ہی ذات اوّل تھے اور خود ہی

آخر ہیں اور آپ معراج کی رات خود اپنے آپ ہی سے ملنے گئے تھے۔" (دھماکہ، ص۲۹) حالانکہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہی ہے اوّل یعنی اللہ وہی آخر یعنی اللہ وہی ہے ظاہر یعنی اللہ وہی ہے باطن یعنی اللہ اور اسی کے جلوے (یعنی حضورِ اقدس نبیِ اکرم رسولِ محترم ﷺ) اسی (اللہ تعالیٰ) سے ملنے اُسی سے اس کی طرف گئے تھے بتایئے اس میں شرعاً کیا اعتراض ہے؟ قصیدۂ معراجیہ کے اس حصّے میں اتنی دقیق باتیں ہیں جن کا تحمّل الفاظ نہیں کرسکتے اور ان تک علمِ ناتمام کی رسائی ممکن نہیں۔ ان کا بیان کر دینا اعلیٰ حضرت ہی کا کام ہے جو لوگ اِن حقائق کی گرد تک نہیں پہنچتے وہ انہیں کیا جانیں وہ ضرور اعتراض کریں گے۔

باقی رہا رسولِ پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اوّل و آخر ہونا وہ اپنی شان کے لائق اوّل و آخر ہیں۔ اللہ عزّوجل بایں معنیٰ اوّل و آخر ہے: قدیم ہر شے سے قبل بے ابتدا کہ وہ تھا اور کچھ نہ تھا اور حضورِ اقدس ﷺ بایں معنیٰ کہ سب سے مخلوق میں اوّل جیسا کہ حدیث شریف میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ اس حدیث شریف کو دیوبندی حکیم الامّت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے "نشر الطیب" میں ص ۴ پر نقل کیا ہے اور دیوبندی قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی" فتاوٰی رشیدیہ" ص ۳۷۳ پر لکھتے ہیں: "شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کو نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔"معلوم ہوا کہ مخلوق کے اعتبار سے حضورِ اقدس ﷺ اوّل اور اللہ تعالیٰ بایں معنیٰ آخر کہ ہر شے کے ہلاک و فناہ ہونے کے بعد رہنے والا، سب فنا ہو جائیں گے اور وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کے لیے انتہا نہیں اور حضورِ اقدس ﷺ بایں معنیٰ آخر کہ آپ خاتم النّبیین ہیں، سب سے آخری نبی ہیں۔ مصنّفِ "دھماکہ" نے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی قدس سرہ سے بغض کے نشے میں حضورِ اقدس ﷺ کے اوّل و آخر ہونے پر اعتراض کرکے درحقیقت مرزائیت و قادیانیت کی تائید و منوائی کی ہے۔ کیونکہ قادیانی مرزائی بھی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی طرح حضورِ اقدس ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے جیسا کہ تحذیر الناس ص ۵۔۲ پر لکھا ہے۔ "مگر اہلِ فہم پر روشن ہو گا کہ تقدّم و تاخّرِ زمانی میں بالذّات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں

ولکن رسول اللہ و خاتم النّبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔"

اب معلوم ہوا کہ دیوبندیوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقدّم و تاخرِ زمانی اور اوّل و آخر ہونے سے کیوں چڑ ہے۔ اس کی وجہ صرف مرزائیت کا حقِ نمک ادا کرنا ہے۔ باقی رہا آیتِ کریمہ ھوالاوّل والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئٍ علیم ؕ تو شیخ المحققین شیخ محدّث شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرّہ العزیز اپنی شہرۂ آفاق کتاب "مدارج النبوت" کے خطبے میں فرماتے ہیں:"ایں کلمات اعجاز للمات ہم مشتمل بر حمد وثناء الٰہی است وہم متضمّن نعت و وصف حضرت رسالت پناہی است ﷺ۔[1] (مدارج النّبوۃ جلدِ اوّل، ص۲)

یعنی یہ آیت حمدِ الٰہی بھی ہیں اور نعتِ مصطفائی بھی۔ صفاتِ الٰہی بھی ہے اور صفاتِ رسول بھی۔(ﷺ) مصنّفِ "دھماکہ" کو معلوم ہو کہ یہ وہی شیخ محقق علّامہ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو انہوں نے خود دھماکہ کے ص۳۸ پر شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "کہہ کر معتبر مانا ہے، ان کو محدّث تسلیم کیا ہے، ان کی تصانیف کو مستند سمجھا ہے۔ ورنہ ان کی تصانیف کے حوالوں کی کیا ضرورت تھی۔ وہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اس آیتِ کریمہ کو حمدِ الٰہی بتارہے ہیں اور نعت مصطفائی بھی جو مصنّف دھماکہ کے لیے موت ہے۔ مصنّف دھماکہ خود بتائے کہ اس کے خانہ ساز شرک کی زد شیخ محقق علامہ عبدالحق محدّثِ دہلوی علیہ الرحمۃ پر پڑتی ہے یا نہیں؟

مصنّف دھماکہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اوّل و آخر ہے۔ دوسرے کو خواہ کسی بھی عنوان سے ہو، اوّل و آخر کہنا شرک ہوا مگر اللہ تعالیٰ تو کریم بھی ہے اور ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ؕ لیکن مصنّف دھماکہ ص۲۹ پر لکھتا ہے: "قرآنِ کریم کی آیت" وہ قرآن کو کریم مان کر خود اپنے شرک کے فتوے کی زد میں آیا یا نہیں؟ جس تاویل کے ساتھ قرآنِ مجید کو کریم کہنا جائز ہو گا اُسی تاویل کے ساتھ حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اوّل و آخر کہنا جائز ہو گا۔

مصنّف دھماکہ ص۲۹ کے حاشیے پر اپنے مخصوص مسخرے انداز میں لکھتا ہے: "خان صاحب بریلوی نرے شاعر ہوتے تو اسے

مبالغہ قرار دے کر ہم آگے نکل جاتے، نرے صوفی ہوتے تو اسے شطحیات صوفیہ میں جگہ ملتی۔" کیوں کیا شریعت پر مصنّف دھاکہ یا اس کے آباو اجداد کی اجارہ داری ہے۔ وہ شاعروں اور صوفیوں کو کونسی دلیلِ شرعی پر نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے "شرک" کو ایمان واسلام قرار دے کر آگے نکل جانے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں؟ مصنّف دھاکہ کے نزدیک اگر کوئی صوفی اور شاعر حضورِ اقدس ﷺ کو اوّل و آخر کہتا تو اس کو کوئی اعتراض نہیں۔ صوفی اور شاعر کا شرک قبول ہے معلوم نہیں صوفیوں اور شاعروں کو اس نے کونسی دلیلِ شرعی سے کھلی چھٹی دے دی ہے اور اس کا اختیار اس کو کہاں سے مل گیا ہے؟

اس کے بعد ہم ذیل میں ایک ایسے صاحب کے اشعار نقل کرتے ہیں جو صرف ڈاکٹر نہ تھے، جو صرف شاعر نہ تھے؛ بلکہ مصنّف دھاکہ کے اپنے الفاظ میں "نقاش پاکستان علّامہ ڈاکٹر اقبال" دھاکہ، ص ۷ ایہی علّامہ اقبال بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وُہی آخر
وُہی قرآں وُہی فرقاں وُہی یٰسیں وہی طٰہٰ
وہ دانائے سبل، ختمِ رسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

فرمایئے صاحب: نقاشِ پاکستان علّامہ ڈاکٹر اقبال کے متعلّق صاف وصریح حکمِ شرعی کیا ہے؟ یاتو علّامہ اقبال کے متعلق حکمِ شرعی بیان کریں۔ ورنہ اتنا تو بتائیں کہ علمائے عرب و عجم کے ممدوح امامِ اہلِ سنّت الامام احمد رضا رضی اللہ عنہ سے ہی کیا عناد ہے؟

مصنّف نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے لفظ اوّل و آخر کے حامل اشعار پر اپنے جاہلانہ تبصرے کے بعد ص ۳۰ پر سیّدی حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب قبلہ خلفِ اکبر و خلیفۂ اعظم امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے جو تین اشعار نقل کیے تھے۔

هُوَ الْاَوَّل هُوَ الْاٰخِر هُوَ الظَّاهِر هُوَ الْبَاطِن
بِكُلِّ شَیْئٍ عَلِيْمٌ لوحِ محفوظِ خدا تم ہو
نہ ہوسکتے ہیں دواوّل نہ ہوسکتے ہیں دو آخر
تم اوّل اور آخر، ابتدا تم انتہا تم ہو

خدا کہتے نہیں بنتی جُدا کہتے نہیں بنتی!
خدا پر اس کو چھوڑا ہے وہی جانے کہ کیا تم ہو!

ان میں اوّل الذکر دو اشعار پر برائے نام بھی تنقید و تبصرہ نہ کر سکا اور آخری مصرعہ ؏

خدا پر اس کو چھوڑا ہے وہی جانے کہ کیا تم ہو!

پر وہی کچھ کہہ ڈالا جو اس سے قبل سابقہ اوراق پر کہہ چکا تھا۔ یعنی "بریلوی مذہب والوں کو یہ اعتراف ہے کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں وہ کسی قطعی اور یقینی عقیدے پر نہیں۔" اگر مصنّف دھاکہ اپنے قاسم العلوم و الخیرات مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کا دروازہ کھٹکھٹاتے تو انہیں قصائد قاسمی سے یہ شہادت مل جاتی۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریّت
نہ جانا کچھ بھی کسی نے تجھے بجز ستار

بتایئے اس میں کیا فرق ہے شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز فرمارہے ہیں۔

خدا پر اس کو چھوڑا ہے وہی جانے کہ کیا تم ہو!

اور بانیِ مدرسہ دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب کہتے ہیں۔

نہ جانا کچھ بھی کسی نے تجھے بجز ستار

ایک ہی چیز کو دو مختلف فقروں میں بیان کیا گیا ہے، لیکن مصنّفِ دھاکہ اپنی خانہ ساز شریعت سے ایک کو معاف کررہے ہیں اور دوسرے کو اسی جرم کی بناپر مجرم ٹھہرارہے ہیں۔

غیر کی آنکھوں کا تجھ کو تنکا آتا ہے نظر
دیکھ غافل آنکھ اپنی کا ذرا شہتیر بھی

مصنّف دھاکہ نے اسی ضمن میں ص۲۹ کے حاشیے پر "الملفوظ" حصّہ اوّل سے دفعِ وسوسہ کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد پر پھبتی کسی ہے: اٰمَنْتُ بِا للّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْئٍ عَلِيْمٌ مگر یہ نہیں بتایا کہ اس پر اسے کیا تکلیف ہے؟ ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب قتیل نے "تقویۃ الایمان" میں جو شرکیات کا ضابطہ جاری کیا تھا۔ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان" (تقویۃ الایمان، ص۱۸) اور اس سے قبل ص ۷ پر ہے "اوروں کو ماننا محض خبط ہے" لیکن

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس یہ فرمایا اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ یعنی میں ایمان لایا اللہ پر، اس کے رسول پر۔ لہٰذا مصنّفِ دھماکہ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ سرّہ کا یہ ایمان افروز جملہ قتیلِ بالا کوٹ کے وہابیانہ احکام سے معارض نظر آیا، لہٰذا بلاکسی دلیل اس پر بھی اپنی عادت وطبیعت سے مجبوری کے باعث پھبتی کس ڈالی اور بس۔ جی راضی ہوگیا کاش کہ مصنّفِ دھماکہ اوّل و آخر کی بحث کا آغاز کرتے اور سیّدنا امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے اشعارِ مبارکہ نقل کرتے وقت اپنا ہی نقل کردہ شعر۔

ظاہر و باطن اوّل و آخر زیبِ فروع زینِ اصول

باغِ رسالت میں ہے تو یہی غنچہ جڑ پتی شاخ

پیشِ نظر رکھتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا تو اس کی تسلّی ہوسکتی تھی اور مصرعِ ثانی پیشِ نظر رکھتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا تو اس کی تسلّی ہوسکتی تھی اور مصرعِ ثانی میں پہلا لفظ باغِ رسالت اس کی تشفّی کے لیے کافی ہوسکتا تھا، لیکن یہ سچ ہے کہ بے حیا کفار بھی قیامت کے دن اللہ عزوجل کے حضور نہ چوکیں گے وہاں بھی زبان چلتی ہی جائے گی یہاں تک کہ زبان پر مہر فرمائی جائے گی اور اعضا کو حکم ہوگا بولو۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ تَشْهَدُ اَرْ جُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔ لہٰذا مصنّفِ دھماکہ نے بھی بے حیا زبان دراز کفار کے اتباع میں جو منہ میں آیا بے دھڑک کہہ دیا اور ص ۳۰ کی پہلی سطر میں نمایاں طور پر لکھ دیا۔ "یہ وہ مقام ہے جہاں بریلوی واضح طور پر حضور کو خدا تسلیم کررہے ہیں۔"

خدانخواستہ اگر واقعی بریلوی حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو واضح طور پر خدا تسلیم کررہے ہیں تو اکابر علما دیوبند نے ان کو مسلمان کیوں تسلیم کیا۔ ان کی اقتدا میں نماز کو جائز کیوں قرار دیا؟ اس کو ہم آگے مفصّل بیان کریں گے اور تو اور خود مصنّفِ دھماکہ نے بھی دھماکہ کے ابتدائیہ میں زیرِ عنوان گزارش احوال واقعی "جو مسلمان بھارت میں رہ گئے" کہہ کر مسلمان تسلیم کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بڑی ڈھٹائی سے یہ بھی کہہ رہا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں بریلوی واضح طور پر حضور کو خدا تسلیم کررہے ہیں۔(دھماکہ، ص ۳۰)

گویا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو واضح طور پر خدا تسلیم کرے وہ مسلمان ہی رہتا ہے؟ یہ سچ ہے جہاں وہابیّت ہو وہاں عقل نہیں رہتی اور جہاں عقل ہو وہاں وہابیّت نہیں آتی۔ ایک سانس میں دو متضاد باتیں اور اس پر سینہ زوری اور بلند بانگ دعووں کا کچھ ٹھکانہ نہیں۔ ص ۳۰ پر اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین و ملّت رضی اللہ عنہ کے "قصیدۂ معراجیہ" سے یہ شعر نقل کیا گیا ہے۔

اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے

وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

اس شعر کی تشریح میں اس کے مفہوم کا حلیہ اس طرح بگاڑا گیا ہے جس طرح انہوں نے اپنے ایمان و اسلام کا حلیہ بگاڑا تھا۔ بالکل بے ربط و بے مقصد الفاظ استعمال کیے گئے۔ شعر کا مفہوم تو یہ بے چارہ کیا واضح کرتا اس کو یہ خبر ہی نہ رہی کہ اس کا قلم کیا گھسیٹ رہا ہے۔ مصرعۂ ثانی کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے کیا گنواروں کی سی زبان استعمال کی گئی ہے۔ "یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہاں دو ہستیاں تھیں خدا اور اس کا رسول نہیں دو نہ کہہ یہ نہ کہہ آپ ہی وہ نہ تھے (یعنی خدا نہ تھے) ارے حقیقت یہ ہے کہ آپ ہی وہ تھے۔" بتایئے یہ دھکا پیل اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے کونسے شعر یا مصرعہ کی تشریح ہے؟ حالانکہ اس شعر شریف کی صاف اور سیدھی غیر مبہم تشریح یہ ہے۔

اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے

اس لیے کہ وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی

جب وہاں دوئی (دوسرے) کی جا ہی نہیں تو کوئی کیا خبر دے؟

نہ کہہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

دوئی کی نفی دوسروں کے لحاظ سے ہے (یعنی محبّ و محبوب کے سوا) یہ نہ سمجھنا اور کہنا وہاں وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ تھے ارے وہ تھے۔ ان کے علاوہ دوئی کی جا نہیں۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَّا یَسْعٰنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّ لَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ۔

مصنّفِ دھماکہ نے چونکہ دیوبندیت کی دلالی میں ہر سیدھی بات کو الٹا کرکے پیش کرنے کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے، اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے "الملفوظ" شریف حصّۂ دوم سے اس ایمان افروز ارشاد پر اعتراض کر ڈالا۔ "اگر الوہیّت عطا فرمانا بھی زیرِ قدرت ہوتا تو ضرور یہ بھی عطا فرماتا۔" بتایئے اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے جو ایک دم معاذ اللہ کا بند باندھ دیا گیا۔ دھماکہ کا مصنّف غالباً اس سے اس لیے چونک پڑا کہ اعلیٰ حضرت کے اس ارشاد سے اس کی اس مکّاری کا پردہ

چاک ہو گیا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں بریلوی واضح طور پر حضور کو خدا تسلیم کر رہے ہیں۔(ص ۳۰)

اعلیٰ حضرت کے متذکرہ بالا ارشاد سے اس کے اس فریب کا بھانڈا پھوٹ گیا اس لیے وہ اس پر اپنی ڈوبتی ناؤ کو بچانے کے لیے اعتراض کر رہا ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرّحمۃ کا یہ ارشاد "اگر الوہیّت عطا فرمانا بھی زیرِ قدرت ہوتا تو ضرور یہ بھی عطا فرماتا۔" غلط ہے تو کیا مصنّفِ دھماکہ کا یہ عقیدہ الوہیت عطا فرمانا بھی زیرِ قدرت ہے؟ ورنہ اعتراض کا کیا معنیٰ؟ ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پر یہ بد ادا نہ دے

اس کے بعد مصنّفِ دھماکہ "نور محمد" نامی مجموعہ نعت حمید بک ڈپو نولکھا بازار لاہور کے سہارے آگے بڑھتے ہیں اور لکھتے ہیں "مولانا احمد رضا خاں کے ایک مرید بریلویوں کے مشہور نعت خوان نور محمد امین آبادی اپنے مجموعۂ کلام میں لکھتے ہیں ؎

میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صَلِّ عَلیٰ کہتے کہتے
حبیب خدا کو خدا کہتے کہتے
خدا مل گیا مصطفیٰ کہتے کہتے

ان اشعار کے اندراج اور مولانا نور محمد کے نام منسوب کرنے میں کس قدر بے ایمانی کی گئی۔ اس کا انکشاف تب ہوا جب ہم نے شیخ غلام حسین کتب فروش کشمیری بازار لاہور کا شائع کردہ کتابچہ "نعتِ نور محمد" کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مصنّفِ دھماکہ کی خیانتیں ملاحظہ ہوں۔ نہ تو مولانا نور محمد صاحب مرحوم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ کے مرید ہیں نہ شیخ غلام حسین کے شائع کردہ کتابچے پر مولانا نور محمد امین آبادی کا نام مذکور ہے۔ البتہ ؎

حبیبِ خدا کو خدا کہتے کہتے

ضرور لکھا ہے جو سراسر غلط ہے، مگر اس کی ذمّے داری اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر کیونکر آگئی؟ یا دوسرے بریلویوں کو کس طرح موردِ الزام ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ اس نظم کا یہ مصرعہ اس طرح ہے ؎

حبیبِ خدا مجتبیٰ کہتے کہتے

جو کسی غیر ذمّے دار یا بد عقیدہ کاتب کی غلطی یا بد عقیدگی کے باعث "حبیبِ خدا کو خدا کہتے کہتے" لکھا گیا۔ اس مصرعہ میں حبیبِ خدا کو خدا کہنے کا قائل نہیں ورنہ حبیب خدا نہ کہتا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ مصرعہ حقیقتاً اس طرح ہے "حبیب خدا مجتبیٰ کہتے کہتے" اور مصنّفِ دھماکہ کی یہ بات تو بالکل ہی غیر ذمّے دارانہ اور سراسر افترا ہے کہ ان (بریلویوں) کے نعت خواں برملا پڑھتے ہیں ؎

جو مستویِ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

مصنّفِ دھماکہ نے پہلے اعلیٰ حضرت کے حوالوں میں کتر بیونت اور چوری کی، غلط مفہوم پہنائے حتّٰی کہ مولانا نور محمد مرحوم کے ذمّے غلط اشعار تھوپے، ان میں کمی بیشی کی اور آخر میں آکر ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ نہ شعر کہنے والے کا نام نہ کتاب کا نام اور بے شرمی یہ کہ ان کے نعت خواں برملا پڑھتے ہیں۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ کا سوا لاکھ یومیہ ورد کریں تاکہ شیخ نجدی دور ہو۔

مصنّفِ دھماکہ اشعار پر اعتراضات کے خبط میں مبتلا ہو کر جو جی میں آیا بے سوچے سمجھے لکھتا چلا گیا حتّٰی کہ مندرجہ ذیل اشعار کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ؎

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وُہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وُہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
وہی نورِ حق وہی ظلِّ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

(حدائق بخشش، ص ۴۸)

لکھتا ہے: اسلام کا عقیدہ ہے کہ ہر چیز کو وجود خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے (اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ) یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے مگر بریلوی مذہب یہ ہے کہ ہر چیز کو وجود حضور سے ملتا ہے ؎

ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب

(اِن لفظوں پہ غور کیجیے) اوّلاً تو یہ مصنّفِ دھماکہ کی کتنی بڑی جہالت ہے کہ وہ "اسلام کا عقیدہ ہے" لکھ رہا ہے۔ اسلام تو دین ہے عقیدہ تو اس کو اپنانے والوں کا ہوگا ہو گا نہ کہ خود اسلام کا البتہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے۔ کیا اسلام خود بھی کوئی عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہے؟

ثانیاً مصنّفِ دھماکہ اپنا یہ دعوٰی کونسے شعر کے کس حصّے سے

ثابت کرے گا۔ ہر چیز کو وجود حضور سے ملتا ہے؟ اور پھر وہ دعویٰ تو یہ کررہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو اس پر لازم تھا کہ وہ علماءِ اہلِ سنّت یا سرکار اعلیٰ حضرت کی کتب سے یہ ثابت کرتا کہ علمائے اہلِ سنّت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں یہ وہ قیامت تک ثابت نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس نے کمال ہوشیاری سے اس کے مقابلے میں یہ لکھ دیا کہ بریلوی مذہب یہ ہے کہ ہر چیز کو وجود حضور سے ملتا ہے۔ پیدا کرنا اور بات ہے وجود ملنا اور بات ہے "ہے انہیں سے سب" کہنا اور بات ہے۔ مصنّفِ دھاکہ کی جہالت ہے ان چیزوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ سمجھنے میں آڑے آرہی ہے۔ اس بیچارے کو تو یہ خبر بھی نہیں کہ شعر لکھتے وقت کونسی نشانی لگائی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی اس جہالت کے باعث ص ۳۲ پر "ہے انہیں سے سب انہیں کا سب" پر تبصرہ کرنے سے پیشتر اس مصرعہ پر شعر کی نشانی "ے" لگاتا ہے حالانکہ مصرعہ کے لیے "ع" ہوتا ہے اور پھر ادبی صلاحیتوں کا فقدان ملاحظہ ہو کہ جب چاہا موقعہ بے موقعہ الفاظ کو بریکٹ میں بند کردیا۔ اور بے ربط و بے مقصد بنا کر رکھ دیا۔

بہر حال اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے متذکرہ بالا دو اشعار میں سے اس کو مؤخر الذّکر شعر پر اعتراض ہے۔ پہلے شعر پر اپنی علمی بے بضاعتی کے باعث ہاتھ نہیں ڈال سکا چونکہ اس کی آنکھ میں رڑکتے اور دل میں کھٹکتے تھے اس لیے نقل دونوہی کردیئے۔ آدمی کی اپنی طبیعت و عادت کی مجبوری بھی ہوتی ہے، چونکہ یہ بے چارہ پہلے شعر "وہی لامکاں کے مکیں ہوئے" پر ایک لفظ بھی تنقید کا نہیں بول سکا۔ لہٰذا ہم بھی اسے چھوڑتے ہوئے اس کے ہدفِ تنقید شعر ؎

وہی نورِ حق وہی ظلِ ربّ ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

پر ہی مختصر گفتگو کرتے ہیں مصنّفِ دھاکہ بریکٹ میں بند کرکے لکھتا ہے (اِن لفظوں پر غور کیجئے) ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب۔ کیا بہتر ہو تا کہ وہ اپنے دل کا بخار بھی ظاہر کر دیتا کہ شعر کے اس حصّہ پر اسے کیا اعتراض اور کونسا درد لاحق ہے آیئے ہم خود بتاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ "ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب" بلا شبہ عالمِ کائنات کا ذرّہ ذرّہ حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے میں بنایا گیا اور یہ سب ؎

ہے انہیں کے دم قدم کی باغِ عالم میں بہار
وُہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہیں عالم نہیں

ابنِ عساکر سیّدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے راوی حضرت عزّت جل جلالہ نے حضورِ پر نور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی بھیجی۔ میں نے ابراہیم کو خلیل اللہ کہا۔ تمہیں اپنا حبیب کہا اور تم سے زیادہ اپنی بارگاہ میں عزّت و کرامت والا کوئی نہیں بنایا۔ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْیَا وَ اَھْلَھَا لِاُعَرِّفَھُمْ کَرَامَتَکَ وَ مَنْزِلَتَکَ عِنْدِیْ وَلَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا۔ میں نے دنیا اور مخلوقاتِ دُنیا اسی لیے بنائی کہ میری بارگاہ میں جو منزلت و عزّت تمہاری ہے ان پر ظاہر فرمادوں۔ اگر (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) تم نہ ہوتے تو میں دنیا نہ بناتا۔ یعنی دنیا و آخرت کچھ نہ ہوتی۔ کہ آخرت دارالجزا ہے اور دارالجزا پر دارالعمل کا تقدم ضروری۔ جب دارالعمل بلکہ عالمین ہی نہ ہوتے تو دار الجزا کہاں سے آتی۔ حاکم نے صحیح مستدرک میں روایت کی حضرت عزّت جلّ وعلانے آدم علیہ السّلام کو وحی بھیجی لَوْلَا مُحمّدٌ مَا خَلَقْتُکَ وَلَا اَرْضًا وَلَا سَمَاءً۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے نہ میں تجھے پیدا کرتا نہ آسمان و زمین بناتا۔ یہی اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ "ہے انہیں سے سب۔۔۔

اب آیئے ہم مجدّدِ مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ایمان افروز عقیدہ کی تائید و تصدیق امام ربانی مجدّدِ الف ثانی رضی اللہ عنہ سے پیش کرتے ہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ ابن عساکر اور سیّدنا سلمان فارسی، حاکم اور مستدرک مصنّفِ دھاکہ کے لیے قابلِ قبول نہ ہوں۔ اگرچہ اکابر علما دیوبند ان کو معتبر مانتے ہیں۔ مگر چونکہ فضائل و کمالات نبوّت ورسالت کے مٹانے اور گھٹانے میں اس کا موقف اکابر سے بھی مختلف ہے جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر آئے ہیں اور آگے بھی کریں گے لیکن مجدّدِ الف ثانی قدس سرّہ کی ذاتِ گرامی اس کے نزدیک یقیناً معتبر اور حجّت ہے۔ کیونکہ خود اُس نے دھاکہ کے ص ۲۱ پر سرکار ہند شریف حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۲۳ سے ایک حوالہ نقل کیا ہے اور ص ۳۴ پر بھی ہے کہ امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اب ہم انہی کا حوالہ پیش کرتے ہیں جن کو یہ امامِ ربانی مجدّد الفِ ثانی کہتا ہے ان کے مکتوبات کو "مکتوبات شریف" کہہ کر معتبر و متبرّک سمجھتا ہے۔

ملاحظہ ہو یہی امامِ ربّانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"حدیثِ قدسی میں ہے کہ حضور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَاَنَا وَ مَا سِوَاکَ تَرَکْتُ لِاَجَلِکَ یعنی اے اللہ تو ہے اور میں ہوں اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: یَا مُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوَاکَ خَلَقْتُ لِاَجلِکَ۔ اے محبوب میں ہوں اور تو ہے اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے ہی لیے پیدا کیا ہے۔ (مکتوبات شریف، جلد دوم، مکتوب ۸، ص۱۸)
اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنیَا لَوْلَاکَ لَمَا اَظْھَرْتُ الرُّبُوْبِیَّۃَ۔ یعنی اے محبوب اگر تم کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ اگر تمہارا پیدا کرنا مجھے مقصود نہ ہوتا تو میں زمین کو پیدا نہ کرتا۔ اگر تمہارا پیدا کرنا مجھے مقصود نہ ہوتا تو میں اپنا رب ہونا بھی ظاہر نہ کرتا۔ (مکتوبات شریف، ص ۲۳۲، مکتوب ۱۲۲)

حضرت امام ربانی مجدّدِ الف ثانی سرکار سرہند شریف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نہ دنیا کو پیدا کرتا نہ آسمانوں کو پیدا کرتا بلکہ اپنا رب ہونا بھی ظاہر نہ کرتا۔ تو ثابت ہوا "ہے انہیں سے سب" اور مکتوب ۸، ص۱۸ سے گزرا۔ اے محبوب سب کو میں نے تیرے ہی لیے پیدا کیا ہے تو ثابت ہوا ہے انہیں کا سب۔ معلوم ہوا کہ سرکار اعلیٰ حضرت کا یہ شعر "ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب" احادیثِ مبارکہ اور سیّدنا امام ربانی مجدّد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اقوال ہی کا عکاس و آئینہ دار ہے اور مصنّفِ دھاکہ درحقیقت اعلیٰ حضرت پر تبرّا بازی کے پردے میں فی الحقیقت احادیثِ مبارکہ کو جھٹلا رہا ہے اور مجدّدِ الف ثانی علیہ الرحمۃ پر تبرّا بازی کر رہا ہے۔ جب احادیثِ شریفہ اور اقوالِ امامِ ربانی علیہ الرحمۃ سے یہ ثابت ہو گیا کہ "ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب" تو پھر مصرعۂ ثانی پر کیا اعتراض رہا۔ مصنّفِ دھاکہ خود بتائے ان تصریحات کی روشنی میں کیا۔ ؏

نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں؟

بانیِ مدرسۂ دیوبند "قصائدِ قاسمی"، ص۵ پر لکھتے ہیں:

طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی
بجا ہے کہیئے اگر تم کو مبداء الآثار
جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود
قیامت آپ کی تھی دیکھیے تو اِک رفتار

اس پر مختصر گفتگو اور سن لیجیے حضور نبیِ اکرم رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں آسمان اور زمین وزماں ہیں یا نہیں۔ ملاحظہ ہو قرآنِ مجید میں ہے: وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ اور بیشک عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے اور ایک دوسری آیتِ کریمہ میں فرمایا: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ اس کے ترجمہ شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور میں دیوبندی حکیم الامّت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں: بیشک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام) اور خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے عطا فرمائی" (ترجمہ تھانوی صاحب، ص۹۶۰)
قرآن مجید میں ہے (قُلْ مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیْلٌ) یہاں کل متاع دنیا کو قلیل فرمایا لیکن اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ عطا فرمایا وہ کثیر نہیں، اکثر نہیں بلکہ کوثر ہے۔ یعنی بہت ہی زیادہ اور اس سے قبل فرمایا تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ جب حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کو بہت ہی زیادہ دیا اور اتنا زیادہ کہ جس پر فرمایا تم راضی ہو جاؤ گے تو پھر زمین و آسمان کی کیا شے ہے جو حضورِ اقدس علیہ السلام کو عطا نہ فرمائی گئی ہو اور آپ کی ملکیّت نہ ہو۔ نیز قرآنِ مجید ہی میں ہے: وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ۔ اور انہیں کیا بُرا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔
غنی (دولت مند) کون کر سکتا ہے جس کو اپنے پاس سب کچھ ہو یا وُہ جو کسی چیز کا بھی مختار نہ ہو یا جس کے پاس اپنا گزارہ بھی نہ ہو وہ کیا غنی کر سکتا ہے۔ غنی وہی کر سکتا ہے جس کے پاس سب کچھ ہو۔ ظاہر ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیّت میں سب کچھ ہے۔ حدیث شریف میں ہے بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی حضور مالک المفاتیح صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اِذْ جِیْئَ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ۔ میں سو رہا تھا کہ تمام خزائنِ زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں پر رکھ دی

گئیں۔ معلوم ہوا کہ ساری زمین کے سارے خزانوں کی ساری کنجیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرما کر مالک و مختار بنایا جبھی تو۔

نکل جاتی ہے سچّی بات منہ سے مستی میں

کے زیرِ مصداق بانیِ مدرسۂ دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ لکھتے ہیں۔

فلک پہ عیسیٰ و ادریس ہیں تو خیر سہی
زمین پہ جلوہ نما ہیں محمد (ﷺ) مختار

یہاں نانوتوی صاحب نے حضورِ اقدس ﷺ کو مختار تسلیم کیا ہے اور لکھتے ہیں۔

ثنا کر اس کی اگر حق سے کچھ لیا چاہے
تو اس سے کہہ کہ اگر اللہ سے ہے کچھ درکار

یہی اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب

اور:

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفرّ مقرّ
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

ان روشن تصریحات کے بعد کوئی اندھا ہی اس بات کا انکار کر سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے یہ غلط لکھا ہے کہ "ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب" باقی رہا شعر کا ابتدائی حصّہ "وُہی نورِ حق وہی ظلِّ ربّ" تو اس کا ثبوت اوّل و آخر اور نورانیّت کی بحث میں احادیثِ شریفہ اور اکابرِ دیوبند کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔

حاشیہ

۱۔ شیخ محقق علامہ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ خطبۂ مدارج النبوّت میں فرماتے ہیں: هوالاول والاٰخر والظاهر والباطن وهو بكل شيئ عليم۔ ایں کلمات اعجاز سمات ہم مشتمل بر ثنائے الہیّت تعالیٰ وتقدس کہ در کتاب مجید خطبہ کبریائی خود خواند و ہم متضمن نعت حضرت رسالت پناہی است کہ دلے سبحانہ اور ابداں تسمیہ وتوصیف فرمودہ۔

اور مولانا فاضل قاری علامہ تلمسانی سے شرح شفا شریف میں ناقل کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جبریل نے حاضر ہو کر مجھے یوں سلام کیا: "السلام علیك یا اوّل السلام علیك یا اٰخر السلام علیك یا ظاهر السلام علیك یا باطن۔" میں نے فرمایا: "اے جبریل یہ صفات تو اللہ عزّ و جل کی ہیں، اسی کو لائق ہیں؛ مجھ سے مخلوق کی کیونکر ہو سکتی ہیں؟" جبریل نے عرض کیا: "اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا کہ حضورِ پر نور سلام عرض کروں۔" اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان صفات سے فضیلت دی اور تمام انبیا و مرسلین پر اُن کو خصوصیّت بخشی اپنے نام و وصف سے حضور کے نام و وصف مشتق فرمائے: وسماك بالاوّل لانك اول الانبياء خلقا وسماك بالاٰخر لانك اٰخر الانبياء في العصر خاتم الانبياء الى اٰخر الامم۔ حضور کا اوّل نام رکھا کہ حضور سب انبیا سے آفرینش میں مقدم ہیں اور حضور کا آخر نام رکھا کہ حضور سب پیغمبروں سے زمانے میں مؤخر و خاتم الانبیا و نبی امّت کے آخر میں۔ ہیں باطن نام رکھا کہ اس نے اپنے نام پاک کے ساتھ حضور کا نام نامی سنہری نور سے ساقِ عرش پر آفرینش آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو ہزار سال پہلے ابد تک لکھا۔ پھر مجھے حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا۔ میں نے حضور پر ہزار سال درود بھیجے اور ہزار سال بھیجے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مبعوث کیا خوشخبری دیتا ڈر سناتا اور اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلاتا اور جگمگاتا سورج۔ حضور کو ظاہر نام عطا فرمایا کہ اس نے حضور کو تمام دینوں پر ظہور و غلبہ دیا اور حضور کی شریعت و فضیلت کو تمام اہلِ سموات وارض پر ظاہر و آشکارا کیا، تو کوئی ایسا نہ رہا جس نے حضورِ پر نور پر درود نہ بھیجے ہوں اور اللہ حضور پر درود بھیجے، "فربك محمود وانت محمد و ربك الاول والاٰخر و الظاهر والباطن وانت الاول والاٰخر والظاهر والباطن۔" پس حضور کا رب محمود ہے اور حضور محمد حضور کا رب اوّل وآخر وظاہر و باطن ہے؛ حضور اوّل وآخر، ظاہر وباطن ہیں۔ سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا الحمد اللہ الذی فضلنی علی جمیع النبیین حتی فی اسمی وصفتی۔ یہ سب خوبیاں اللہ عزّ وجل کو کہ جس نے مجھے تمام انبیا پر فضیت دی یہاں تک کہ میرے نام وصفت میں۔ (ﷺ) (تجلی الیقین، ص ۴۷)

* * * * *

رضا ھائر ایجوکیشن پروجیکٹ

رضاہائر ایجوکشن پروجیکٹ کے تحت ہر ماہ رضویات کے کسی عنوان پر تحقیق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ امام احمد رضا اور علمِ حدیث پر پی ایچ ڈی سطح کے مقالات پاکستان و ہندوستان سے لکھے جاچکے ہیں تاہم فتاوٰی رضویہ کے خصوصی حوالے سے امام احمد رضا کی علم حدیث میں دسترس کے موضوع پر محترم عبدالمصطفیٰ، ریسرچ اسکالر، گفٹ یونیورسٹی گجرانوالہ (پاکستان) سے ایم فل کا مقالہ پیش نظر خاکہ کے مطابق میاں ریاض محمود صاحب کی زیر نگرانی تحریر فرمارہے ہیں۔ اس تحقیق کی تکمیل میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا تمام ممکنہ سہولیات مقالہ نگار کو پیش کررہا ہے۔ علمی تعاون کے تحت اس تحقیق سے متعلق مواد تک مقالہ نگار کی رسائی کے لئے جو افراد اور ادارے تعاون کرنا چاہیں وہ متعلقہ مواد بذریعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا یا میاں ریاض محمود مقالہ نگار کو ارسال کرسکتے ہیں۔ (عبید)

فتاوٰی رضویہ میں فنِ حدیث کے اہم مباحث کا تحقیقی مطالعہ

مقدمہ

بابِ اوّل: مولانا احمد رضا خاں، تعارف اور علمی خدمات

فصل اوّل: خاندانی پس منظر
فصل دوم: مولانا احمد رضا خاں کی علمی خدمات
فصل سوم: علمِ حدیث میں مولانا احمد رضا خاں کی دسترس
فصل چہارم: علمِ حدیث میں مولانا احمد رضا خاں کا سلسلہ اسناد
فصل پنجم: حدیث اور علوم حدیث میں مولانا احمد رضا کی مہارت اہل علم کی نظر میں

بابِ دوم: فتاوٰی رضویہ کا تعارف

فصل اول: فتاوٰی رضویہ کا تحقیقی مطالعہ
فصل دوم: فتاوٰی رضویہ کا منہج واسلوب
فصل سوم: مولانا احمد رضا خان کا حدیث اور اُصول حدیث سے طرز استدلال
فصل چہارم: برصغیر میں اُردو فتاوٰی نویسی پر فتاوٰی رضویہ کے اثرات

باب سوم: اُصول حدیث کے اطلاق میں مولانا احمد رضا کا منہج واسلوب

فصل اول: اُصول حدیث اور اس کی اقسام
فصل دوم: اُصول حدیث میں مولانا احمد رضا خاں کا منہج واسلوب
فصل سوم: اُصول روایت میں مولانا احمد رضا کا منہج واسلوب
فصل چہارم: اُصول درایت میں مولانا احمد رضا کا منہج واسلوب
فصل پنجم: کتب حدیث کے طبقات میں مولانا کا منہج واسلوب

باب چہارم: فتاوٰی رضویہ اور اُصول حدیث

فصل اول: فتاوٰی رضویہ میں فنِ حدیث کے اہم مباحث
فصل دوم: جراح وتعدیل کے اہم مباحث
فصل سوم: مختلف الحدیث کے اہم مباحث
فصل چہارم: ضعیف حدیث کے اہم مباحث
فصل پنجم: موضوع حدیث کے اہم مباحث

باب پنجم: مولانا احمد رضا کی خدماتِ حدیث کے فکر اسلامی پر اثرات

فصل اول: فقہ حنفی کی اشاعت
فصل دوم: منکرینِ حدیث کا رَد
فصل سوم: برصغیر سے باہر عالمی اثرات
فصل چہارم: اختلافی مباحث کا ظہور

خلاصہ تحقیق
حاصل تحقیق
کتابیات

تبصرۂ نشرح بر "بدیع الرضانی مدح المصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)"

ڈاکٹر شاہ محمد تبریزی القادری

صاحبِ عرفانِ حقیقت، عارفِ معرفت وشریعت، واقفِ اسرارِ طریقت حضرت علامہ پیر سید علاء الدین صدیقی مدظلہ العالی، سجادہ نشین دربارِ عالیہ، نیریاں شریف، چانسلر محی الاسلام یونیورسٹی (آزاد کشمیر) کی خواہشِ دیرینہ کی تکمیل، ادارۂ ہٰذا کے محقق العصر، مدیر الاثیر، محرّر الامر، محترم جناب میرزا امجد رازؔی کی تحقیقِ انیق، تصنیفِ لطیف، اسم با مسمّٰی "بدیع الرضانی مدح المصطفیٰ ﷺ" محترم جناب حضرت علامہ مولانا پیر طریقت معرفتِ شریعت، واقفِ حقیقت، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری مدفیوضہ، جنرل سکریٹری ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل، کراچی کے دستِ شفقت کے طفیل، راقم کو بایں امر نظر نواز ہوئی کہ "آپ کو کتابِ ہٰذا پر ایک وقیع اور مدلّل تبصرہ لکھنا ہے۔"

کتابِ مستطاب کو دیکھ کر اندازہ کچھ یوں ہوا کہ جس کتاب پر استادِ فن، حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی مدفیوضہ (سابق وائس چانسلر، جامعہ محی الاسلام)، حضرت علامہ ضیاء حسن ضیاؔء (مدیر سہ ماہی، "زرنگار")، حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر ممتاز سدیدی الازہری، استاذ الاساتذہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (پنجاب یونیورسٹی) اور ڈاکٹر شبیر احمد قادری صاحب (جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد) جیسے جیّد اکابرین، صاحبانِ علم وفن و مدبرین ادب نے تحقیقِ رازؔی "بدیع الرضانی مدح المصطفیٰ" جو علم بدائع وصنائع کی جمیع و جامع ہے، پر اپنی وقیع و دقیق آرا کا اظہار اور اس کی فنّی و عروضی باریکیوں کو الم نشرح کیا ہو، وہاں مجھ جیسا ہیچ مدان، کم سخن و کم فہم، بھلا کیا گل کھلائے گا اور رازِ رازؔی سے کیا پردۂ فن اٹھائے گا۔ جنابِ میرزا امجد رازؔی نے تو چمنستانِ رضا میں وہ شگوفہ کھلایا ہے کہ جب تک گلستانِ رضا شاد و آباد رہے گا، یہ شگوفۂ رازؔی اسی طرح ترو تازہ، بُوئے گلِ رضا بکھیرتا، عالمِ علم و ادب میں نکہت و نور کا مینارہ بنا، اظہر من الشمس رہے گا اور لطافتِ رضا سے، گلشنِ رضا کو منور و معطر رکھے گا۔

دنیا کی ہر زبان اپنا نثری و نظمی ادب رکھتی ہے اور ہر ادب کا اس کے زبان و بیان کے مطابق زمان ومکان کے لحاظ سے ایک قانونِ ادب بھی ہوتا ہے جس کا اطلاق منظوم و منثور، دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔ زبان کی چاشنی اس کے اعجازِ بیان میں ہوتی ہے، جسے فصاحت و بلاغت کہا جاتا ہے اور ادب کی شیرینی اس کے جملوں اور الفاظ میں ہوتی ہے، جسے علمِ صنائع وبدائع کہا جاتا ہے۔

فصاحت و بلاغت دنیا کی چند ہی زبانوں کو حاصل ہے اور اس لحاظ سے عربی زبان وادب کو، بہ صورتِ منظوم ومنثور، جو مقام ومرتبہ حاصل ہے، وہ دنیا کی کسی اور زبان کو حاصل نہیں۔ اسی طرح علم صنائع و بدائع، لفظی ومعنوی بھی اسی زبان کا خاصّہ ہے، بعد ازاں یہ ورثۂ علمی و ادبی وفنّی، اردو زبان کو منتقل ہوا، جو ہر دور میں ایک زندہ زبان کے طور پر موجود رہی ہے۔

علمائے اردو نے، منثور ومنظوم، بہر صورت، صنفِ اصناف میں اپنے فن کا جادو جگایا ہے اور اس کی سحر انگیزی سے آج بھی افق ادب مسحور ہے۔ بڑے بڑے نام ور اس چمن میں گلِ تازہ بن کر کھِلے اور مرجھا گئے، لیکن ایک نام ایسا سدا بہار پھوٹا، جو آج سو سال سے اس گلستاں کو معطر کیے ہوئے ہے۔ براعظم ہند کے گلستاں میں جو گلِ تازہ کھِلا، فلکِ ادبِ ہند پر جو آفتاب چمکا، جس کی بوئے ادب سے گلشِ ہند چمکا۔ سرزمینِ ہند وپاک پر ہی نہیں بلکہ بلادِ عرب وعجم میں جس کا سکہ بیٹھا۔ ایک سو چار علوم پر مشتمل، ایک ہزار سے زائد کتب کا گنجینۂ گوہر کھلا۔ علومِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ ﷺ، فقہ واصولِ فقہ، منطق وفلسفۂ قدیمہ وجدیدہ، علوم سائنس، ہیئت وکیمیا، حساب والجبرا، فلکیات وحیاتیات، نثری و نظمی ادب، نعتیہ ادب اور بے شمار موضوعات پر جو تحقیقاتِ عالیہ منصۂ شہود پر آئیں، وہ اردو، عربی اور فارسی ادب کا بیش بہا خزانہ اور سرمایۂ زمانہ ٹھہرا۔ وہ سرمایۂ افتخار، عالمِ اسلام کا نابغۂ روزگار، جس کا اب تک کوئی ثانی نہ ہوا، علامہ، مولانا، مفتی، مفکر، مدیر، مفسر، محدث، مترجم، مجتہد، شارح، محشی، مصنف،

مؤلف، مجدّدِ وقت، مجدّدِ ملّت، مجدّدِ اعظم، مجدّدِ دین، مجدّدِ ادب، قاطعِ بدعت، حامیِ اہلِ سنّت، داعیِ سنّت وحنفیت، بانیِ رضویت، ماحیِ نجدیت و رافضیت و دیوبندیت و قادیانیت، اور امام ابوحنیفہ ثانی جیسے عظیم وضخیم القابات وخطابات کا حامل، نعتیہ ادب کا روحِ رواں، زبان وبیان کا ماہر و قاہر، اپنوں اور غیروں کی نظر میں معزّز و معظم، محترم ومکرم، غیر بھی جس کی بار گاہ میں باادب، قابلِ رشک و قابلِ فخر نگاہوں سے دیکھا جانے والا، صاحبِ طرز، یکتا واچھوتا تحریر کا فاضلِ زمانہ، جسے لوگ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی امام احمد رضا قادری برکاتی (المتوفی ۱۳۴۰ھ الموافق ۱۹۲۱ء) کے نام سے موسوم ومعروف کرتے ہیں اور وہ "امام الکلام کلام الامام" امام احمد رضاؔ کہلاتے ہیں۔

میرزا امجد رازؔی نے ان کے نعتیہ کلام کی فنّی وعروضی باریکیوں اور اس میں مستعمل علمِ صنائع وبدائع کے استعمال کے حوالے سے، کلامِ رضا کو پیش کیا ہے۔ جناب رازؔی کی یہ تحقیق اپنی نوعیت کی بڑی دل چسپ اور انوکھی کتاب ہے کہ جس میں جناب رازؔی نے دیگر شعرا وادبائے اردو و عربی وفارسی کے اشعار کو کلامِ رضا کے مقابل رکھتے ہوئے، کلامِ رضا میں بلاغت و فصاحتِ شعری کو اجاگر کیا ہے اور ان کے شعر کے حسن ودل کشی، شیفتگی وشائستگی، زبان وبیان کا لحاظ وپاس، جملوں کا رکھ رکھاؤ، رچاؤ اور بندش، معنٰی و مفہوم کی گہرائی و گیرائی، الفاظ کے چناؤ پر ان کی ماہرانہ وقاہرانہ دسترس اور اس کی سلاست و روانی کو بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ دیگر کے مدِّمقابل اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کلامِ رضا کس قدر بھاری اور کس درجہ بہاری ہے۔

کتاب کے شروع میں صاحبِ کتاب نے سولہ صفحات پر مشتمل، ایک سوانیتس اشعار میں، چار مطالع میں شاہِ شہا، احمد رضا، مقامِ رضا، علومِ رضا اور تحقیقات و تصنیفات و تالیفاتِ رضا کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، جو در حقیقت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کا منظوم تعارف ہے، جس کی تقسیم کچھ یوں ہے کہ مطلعِ اوّل میں پچپن اشعار، مطلعِ ثالث میں بتیس اشعار، مطلعِ ثالث میں سترہ اشعار اور مطلعِ رابع میں پچیس اشعار درج ہیں۔

علومِ قرآنیہ میں علم صنائع وبدائع اور علم البیان شامل ہے، یعنی یہ علم بھی دیگر علوم کی طرح قرآنِ کریم کا مرہونِ منّت ہے، بلاشبہ قرآنِ کریم علوم کو پیدا کرنے والی کتاب ہے، یعنی یہ "ام الکتاب" ہی نہیں، بلکہ "ام العلوم" بھی ہے، بعد ازاں احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان علوم کی تشریح وتفسیر وترویج کا عظیم شاہ کار ہیں۔

زبانِ عربیہ میں ان علوم کی ترویج واشاعت وتزئین وآرائش، تبلیغ وافزائش عہدِ عباسیہ، خلفائے بنوعباس (۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ الموافق، ۷۵۰ء تا ۱۲۵۸ء) میں خوب خوب ہوئی۔ ابو عبدالرحمٰن خلیل بن احمد فراہیدی (۱۷۰ھ الموافق ۷۸۶ء)، جعفر بن یحیٰی برمکی (۱۸۷ھ الموافق ۸۰۲ء)، امام سیبویہ (عمروبن عثمان) (۱۹۴ھ الموافق ۸۱۰ء)، ابوعبیدہ معمر بن مثنیؒ (۲۰۹ھ الموافق ۸۲۵ء)، ابو عثمان عمرو بن جاحظ البصری (۲۵۵ھ الموافق ۸۶۸ء)، ابوالعباس المرتضیٰ باللہ عبداللہ بن المعتز عباسی صاحب کتاب البدیع (۲۹۶ھ الموافق ۹۰۸ء)، ابوالفرج الکاتب قدامہ بن جعفر البغدادی (۳۶۰ھ الموافق ۹۳۲ء)، ابو علی محمد حسن الخاتمی (۳۸۸ھ الموافق ۹۹۸ء)، قاضی ابو بکر الباقلاتی (۴۰۳ھ الموافق ۱۰۱۲ء)، ابو منصور عبدالملک بن محمد اسمٰعیل الثعالبی (۴۲۹ھ الموافق ۱۰۳۸ء)، ابو علی حسن الازدی شہیر بہ ابن رُشیق القیروانی، صاحب کتاب العمدة (۴۵۶ھ الموافق ۱۰۲۴ء)، عبدالقاہر الجرجانی (۴۷۱ھ الموافق ۱۰۷۸ء)، ابویعقوب یوسف بن محمد السکاکی (۶۲۶ھ الموافق ۱۲۲۸ء)، محمد بن عبدالرحمٰن قزوینی الشافعی (۷۳۹ھ الموافق ۱۳۳۸ء)، علامہ سعد الدین بن عمر تفتازانی (۷۹۲ھ الموافق ۱۳۹۰ھ)، میر سید ابوالحسن علی بن محمد المعروف میر سید شریف جرجانی (۸۱۶ھ الموافق ۱۴۱۳ء)، کے علاوہ عمروبن بحر بن محبوب اصفہانی، قابوس بن وشمگیر اور خطیب قزوینی جیسے عظیم علمائے لغات ونحویین ومتکلمین شامل ہیں، بلاشبہ فنِ بدیع کا موجد ابوالعباس المرتضیٰ باللہ عبداللہ بن المعتز ہے اور اس موضوع پر اس کی لازوال کتاب "البدیع" بھی موجود ہے، ان علوم کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آج مدارس دینیہ میں دروس البلاغۃ، البلاغ الواضحہ، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور المطول جیسی بلاغت وفصاحت سے پُر اصول و قوانینِ بلاغت پر مشتمل کتب پڑھائی جاتی ہیں اور فنِّ شاعری میں پختگی کے لیے سبع معلقات، دیوانِ حماسہ اور دیوانِ متنبیؔ جیسی کتبِ سخن کی تعلیم دی جاتی ہے۔

فصاحت وبلاغت مسلمانوں کا ورثہ ہے اور قرآنِ کریم فصاحت وبلاغت کا اوّلین مآخذ ومنبع ومصدر ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: انا افصح العرب (میں عرب کا فصیح اللّسان ہوں)۔ جس طرح عربی زبان و ادب میں مذکورہ بالا مبلغین و متر شحین علم و فن اور علمائے ادب و لغت و تکلم کا نام امر ہے، بعینہٖ اردو زبان و ادب یعنی شعرائے عجم میں بھی میرؔ، سوداؔ، ناسخؔ، غالبؔ، ذوقؔ، آتشؔ، حسرتؔ، داغؔ اور یاسؔ وغیرہ کے دواوین بلاشبہ محاسنِ شعری سے پُر اور عروضی و فنی مہارت کا مظہر اور بلاغت و فصاحت کا شاہ کار ہیں، لیکن ان کے یہاں زبان و بیاں کی بے باکیاں اور بے اعتدالیاں بھی ان کے کلام و بیان کا جزو لازم اور حصۂ خاص ہیں۔

فارسی زبان کا اکثر حصہ قصائد و غزلیات و ہزلیات و نظمات کا مرقع ہے، محض چند ہی شعرا نے عارفانہ اور تصوفانہ کلام کی طرف توجہ کی ہے۔ نعوت تو شاذ شاذ ہی ہیں۔ حکیم سنائی ابوالمجد مجدود (۵۴۵ھ الموافق ۱۱۱۵ء)، حافظ شیرازی (۷۹۱ھ الموافق ۱۳۸۸ء)، بابافغانی شیرازی (۹۲۲ھ الموافق ۱۵۱۶ء) اور خواجہ کرمانی، جس کے اشعار میں جابجا قرآنی تلمیحات پائی جاتی ہیں اور اشعارِ عربی بہ شکل ملمع پائے جاتے ہیں۔ شیخ فریدالدین عطّار نیشاپوری، مولانا عبدالرحمٰن جامی، خود شاہِ کارِ بلاغتِ فارس، شیخ سعدی شیرازی جیسے اساتذۂ فن سے بھی امام احمد رضا کا نعتیہ انداز قطعاً نرالا اور جدا ہے۔ یہی نہیں بلکہ امام احمد رضا کے معاصرین و متقدمین و متاخرین میں مولوی کرامت علی خاں شہیدی (۱۲۵۶ھ الموافق، ۱۸۴۰ء)، حکیم مومن خان مومن (۱۲۶۹ھ الموافق ۱۸۵۲ء)، مولوی غلام علی امام شہید (۱۲۹۶ھ الموافق ۱۸۷۹ء)، امیر مینائی (۱۳۱۸ھ الموافق ۱۹۰۰ء)، مولوی سید محسن کاکوروی (۱۳۲۳ھ الموافق ۱۹۰۵ء) اور مولانا کفایت علی کافی (۱۲۷۴ھ الموافق ۱۸۵۸ء) جیسے استاذ الاساتذہ، ماہرین فن، کاملین ہنر و "امام نعت گویان" بھی وہ مقام حاصل نہ کرسکے، جو عروج و عظمت، رفعت و عزت گل سرسبدِ اردو، امام احمد رضا فاضل بریلوی کو حاصل ہوئی۔ الفاظ کا چناؤ ہو یا فن کا برتاؤ، زمین کا تعین ہو یا ردیف و قافیہ کی بندش، صنائع بدائع کا استعمال ہو یا زبان و بیان کا اعجاز، جو بھی موقع محل ہو، امام احمد رضا اپنے مقام پر سب سے بلند نظر آتے ہیں۔

ان تمام علمائے علم و فن، ادبائے فصاحت و بلاغت کے مابین شہنشاہ ہفت اقلیمِ نعت، امام احمد رضا بریلوی کا ایک ایک حرف عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا، ایک ایک لفظ بوئے رسول ﷺ سے عطر بیز، معطر و معنبر، حشو و حذف و زوائد سے مبّر او منزہ و مصفّٰی و مجلّٰی، ہمہ اقسام کی بے احتیاطی و بے اعتدالی سے خالی، اپنے تمام تر محاسن شعری و لوازم ادبی و فنی و عروضی کے ساتھ مشام جاں کو معطر کرتا ہے۔ اس بات کا دعویٰ سوائے امام احمد رضا کے آج تک کسی شاعر و ادیب و ماہر فن نے نہیں کیا کہ اس کا کلام ان تمام عیوب و نقائص سے مبّر او منزّہ ہے، لیکن مجددِ عصر و مجددِ ادب، امام احمد رضا بریلوی اس ضمن میں یوں ہی دعویٰ براءت نہیں فرماتے، بلکہ وہ اپنے اس دعوے کی پاس داری بھی کرتے ہیں، یہی وجہ ہے اب تک ان کے کلام پر کوئی بھی ماہر فن انگلی نہیں رکھ سکا ہے۔ اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی احکام شریعت رہے ملحوظ

امام احمد رضا کے کلام میں، علم صنائع ہو یا بدائع یا معانی، ان علوم کی تمام اقسام کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے، یعنی حسنِ عارضی ہو یا محسناتِ لغویہ ہو یا محسناتِ لفظیہ، آپ کے کلام میں یہ صور، اپنے تمام تر طمطراق کے ساتھ موجود ہیں۔ اس ضمن میں ملاحظہ ہو، صنعتِ تنسیق الصفات کی عمدہ و اعلیٰ مثال، امام احمد رضا کے یہ اشعار ؎

سر تا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

اسی طرح یہ شعر مراعاۃ النظیر کی عمدہ مثال ہے ؎

دل بستہ وخوں گشتہ نہ خوشبو نہ لطافت
کیوں غنچہ کہوں، ہے مرے آقا کا دہن پھول

صنعتِ ملمع میں امام الکلام کی چہار لغتی نعت "لم یاتِ نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا" اپنی زبان و بیان کے لحاظ سے واحد نعت ہے، جو بے نظیر و بے مثیل ہے اور اب تک ایسا کوئی کلام ایجاد نہ ہوا، جس میں اس قدر حیرانی و سحر بیانی ہو اور جو اپنے تکلم و ترنم کا خاص طرزِ تخاطب و تلازم لیے ہوئے ہو۔

اس کلام کے حوالے سے علامہ شمس بریلوی یوں رقم طراز ہیں:
"ایسی لفظی صنعت جس میں شاعر کسی دوسری زبان کے جملے یا مقولے

استعمال میں لائے "صنعتِ تلمیح" کہلاتی ہے۔ یہ صنف اپنے بر محل استعمال کے لیے تبحرِ علمی کی خواہاں ہے۔ اردو زبان کا عام شاعر اسے استعمال نہیں کر سکتا۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے دور میں اس صنف کا استعمال قریب قریب متروک ہو گیا ہے۔ شعرائے فارسی میں اکثر و بیشتر کے یہاں یہ صنف استعمال کی گئی ہے۔ حافظ، سعدؔی، جاؔمی، ہندوستان میں خسرؔو، فیؔض کے یہاں اس صنف کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس نعت میں حضرت رضا نے یہ کمال دکھایا ہے کہ آپ نے چار زبانوں میں سب سے زیادہ اس صنعت کا استعمال کیا ہے۔ اس نعت میں ان کے تبحر علمی کے باعث چار زبانوں عربی، فارسی، اردو، ہندی میں یہ نعت کہی گئی ہے، ورنہ عام طور پر تلمیح کے اشعار "فارسی و عربی" اور "اردو و ہندی" میں ملتے ہیں۔ حضرت جاؔمی کے یہاں بیش تر اور حضرت خسرو کے یہاں کم تر فارسی و عربی کا امتزاج ہے۔ حضرت خسرو کی غزل آج بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے، جو فارسی و ہندی زبان میں ہے ؎

زحالِ مسکیں مکن تغافل

لگائے نیناں بنائے بتیاں

حضرت رضا نے نو شعر کی یہ نعت اس التزام کے ساتھ تحریر فرمائی ہے کہ پہلا مصرع عربی و فارسی میں ہے اور دوسرا مصرع ہندی و اردو میں، یہ التزام خال خال کسی شاعر کے ہاں دیکھنے میں آتا ہے۔"

اسی طرح صنعتِ ملمع کا اعلیٰ شاہ کار، صنعتِ اتصال تربیعی کی اعلیٰ مثال، انیتس اشعار پر مشتمل امام احمد رضا کا تخلیق کردہ "قصیدۂ غوثیہ" ہے، جو حضور سیدنا غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی شان و عظمت میں کہا گیا ہے۔ یہ قصیدہ اپنے نادر الوجودی کے سبب اب تک اپنی مثال میں واحد و یکتا اور بے نظیر و بے مثیل ہے کہ اب تک کسی بھی ادب میں ایسی کوئی نظیر پیش نہیں جا سکی کہ جس میں عربی زبان کے اس قصیدے کے ہر شعر کی تفہیم و تشریح و ترجمہ کے لیے منظوم فارسی زبان میں تین اشعار یعنی چھ مصرعوں میں اس طرح بیان فرمایا کہ ایک شعر میں معانی اور دو شعر (چار مصرعوں) میں تشریح بیان فرمائی ہے۔ یہ بات اولیاتِ رضا میں سے ہے اور متقدمین و متاخرین و معاصرین میں کوئی بھی شاعر و ادیب، ایسی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

امام احمد رضا کے اضافی اشعار سے، انیتس اشعار پر مشتمل عربی کا یہ قصیدہ، فارسی کے بانوے اضافی اشعارِ رضا ملا کر، ایک سو اکیس اشعار پر محیط ہو گیا ہے۔

امام احمد رضا کے تبحر علمی و یگانۂ روزگاری کی پہلی مثال نہیں؛ بلکہ صاحب "بدیع الرضا فی مدح المصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)" نے، صنائع معنوی و صنائع لفظی کی ان تمام اقسام کو اپنی تحقیق لطیف میں مفصلاً بیان کیا ہے۔ "امام الہند فی الشعر" نے اپنے اشعارِ نعت میں بدائع معنوی کی چھبیس اقسام کو، مع ان کی ذیلی اقسام کے، ان کے تمام ابلاغ کے ساتھ برتا ہے۔ اردو ہی نہیں بلکہ عربی و فارسی ادب میں بھی ایسی کوئی نظیر یا مثال نہیں ملتی کہ کسی شاعر نے علم بدائع کی اس قدر اقسام کو اپنے اشعارِ نعت کی زینت بنایا ہو۔ میرزا امجد رازؔی نے ان تمام کی تقطیع و تنقیح بذریعہ امثال و کلام واضح کر دی ہیں۔ آپ نے اقسامِ صنعت، لوازمِ صنعت، معانیٔ صنعت اور امثالِ صنعت کے ذریعے اشعارِ شعرائے دیگر اور آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں بلاغتِ اشعارِ رضا کو پیش کیا ہے، جو کہ ان کے ماہرِ علومِ اصناف و صنعات ہونے پر دلیل ہے۔ ایک ہی شاعر کی اس قدر صنعات کو اشعارِ نعت میں استعمال کرنے کی دنیا میں ایسی کوئی اور مثال موجود نہیں، یہ خاصّہ بھی "کلام الامام" کا ٹھہرا اور "امام الکلام" کہلایا۔ جناب رازؔی نے صنائع معنوی کی تفصیل در اشعارِ رضا، درجِ ذیل طریق پر بیان کی ہے، ملاحظہ ہو:

نمبر شمار	اسم رقسم صنعت	اشعارِ رضاؔ	اشعار دیگر، اردو	عربی	آیتِ قرآنی	حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
ا۔	صنعتِ طباق	۷	۸	۲	۸	۱
۲۔	صنعتِ تدبیج	۱	۲	۱	–	–
۳۔	صنعتِ مقابلہ	۲	۱	–	۶	–
۴۔	صنعتِ مراعاۃ النظیر	۲	۲	۱	۱	–
۵۔	صنعتِ ارصاد (توشیح)	۸	۹	۱	۴	–

نمبر شمار	اسم/قسمِ صنعت	اشعارِ رضا	اشعار دیگر، اردو	عربی	آیتِ قرآنی	حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۶۔	صنعتِ مشاکلہ	۱	۱	۲	۱	–
۷۔	صنعتِ مزاوجہ	۱	۳	۱	–	–
۸۔	صنعتِ عکس	۳	۵	–	۴	–
۹۔	صنعتِ رجوع	۱	۱	۱	۳	–
۱۰۔	صنعتِ ایہام (توریہ)	۲	۴	۱	۱	–
۱۱۔	صنعتِ لف و نشر	۴	۴	۲	۲	–
۱۲۔	صنعتِ تقسیم	۴	۴	۵	۱	–
۱۳۔	صنعتِ تفریق	۱	۱	۲	۴	–
۱۴۔	صنعتِ جمع	۱	۱	۱	۲	–
۱۵۔	صنعتِ جمع و تقسیم	۴	۲	۴	–	–
۱۶۔	صنعتِ جمع و تفریق	۲	۱	۲	–	–
۱۷۔	صنعتِ جمع و تفریق و تقسیم	۲	۲	–	۵	–
۱۸۔	صنعتِ تجرید	۹	۹	۲	–	–
۱۹۔	صنعتِ مبالغہ	۳	۴	۴	–	۱
۲۰۔	صنعتِ مذہب کلامی	۳	۴	۴	–	–
۲۱۔	صنعتِ حسن تعلیل	۴	۴	۳	–	–
۲۲۔	صنعت استتباع	۱	۱	۱	–	–
۲۳۔	صنعتِ تجاہلِ عارفانہ	۱	۱	۱	–	–
۲۴۔	صنعتِ قول بالموجب	۱	۱	۱	–	–
۲۵۔	صنعتِ اطراد	۱	۱	۱	۱	–
۲۶۔	صنعتِ تلمیح	۱	۱	۲	–	–

جناب رازی نے صنائع معنوی میں امام احمد رضا کے کل انہتّر اشعار اور دیگر شعرائے اردو کے چوہتّر اشعار، یعنی اردو کے کل ایک سو تینتالیس اشعار اور عربی زبان کے اکتالیس اشعار، جب کہ قرآن کریم کی تینتالیس آیتِ کریمہ اور دو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم درج کی ہیں۔ اردو و عربی کے اشعار ملا کر اشعار کی کل تعداد ایک سو چوراسی ہو جاتی ہے۔ یہ تمام کرشمہ سازیاں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی، جناب رازی نے ان چھبیس اقسام صنائع معنوی سے بیان کی ہیں، جو امام الکلام نے اپنے اشعار نعت میں برتی ہیں۔ صنائع معنوی کا ایسا فاضلانہ و مدبرانہ استعمال بذاتِ خود ایک عالمی ریکارڈ ہے، جو افق ادب پر اب تک بر قرار ہے اور ان شاء اللہ تا ابد رہے گا۔

صنائع معنوی کی طرح صنائع لفظی میں امام الکلام نے جن اقسامِ اصناف کو برتا ہے، اس کی تفصیل و ترتیب و توضیح و تشریح بھی جناب علامہ رازی نے اپنے قلم دل پزیر، فکرِ اثیر، طرز جمیل، فہیم جلیل اور ادبی تنویر کے ذریعے، امثال و احوال و آثار کی روشنی میں، بڑے ہی ماہرانہ و قاہرانہ انداز میں، فاضلانہ گیرائی و گہرائی کے ساتھ، بڑے ہی پُر وقار طور پر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

نمبر شمار	اسم رقسم صنعت	اشعارِ رضاؔ	اشعار، دیگر، اردو	عربی	آیتِ قرآنی	حدیثِ نبوی ﷺ
۱۔	صنعتِ تجنیسِ تام مستوفی	۲	۷	۳	۱	–
۲۔	صنعتِ تجنیسِ تام مماثل	۱	۳	–	۱	–
۳۔	صنعتِ تجنیسِ مرکب مشابہ	۱	۲	۱	–	–
۴۔	صنعتِ تجنیسِ مرفو	۲	۱	–	–	–
۵۔	غیر تام زائد و ناقص	۳	۱۱	۱	۲	–
۶۔	صنعتِ تجنیسِ مزیّل	۱	۱	۲	–	–
۷۔	صنعتِ تجنیسِ محرّف	۱	۱	۱	–	–
۸۔	صنعتِ تجنیسِ خطی	۶	۴	–	–	–
۹۔	صنعتِ تجنیسِ مضارع	۴	۳	۱	–	۱
۱۰۔	صنعتِ تجنیسِ لاحق	۴	۷	–	–	–
۱۱۔	صنعتِ تکرار	۱۲	۶	–	۱	–
۱۲۔	صنعتِ متتابع	۱	۱	–	–	–
۱۳۔	صنعتِ مبادلہ الراسین	۱	۱	–	–	–
۱۴۔	صنعتِ مسمط	۴	۲	–	–	–
۱۵۔	صنعتِ ترصیع	۳	۲	–	–	–
۱۶۔	صنعتِ تضمین المزدوج	۲	۱	–	–	۱
۱۷۔	صنعتِ قلب	۸	۵	۲	۱	۱
۱۸۔	صنعتِ اشتقاق	۱	۱	–	۲	–
۱۹۔	صنعتِ شبہ اشتقاق	۲	۲	–	۱	–
۲۰۔	صنعتِ ردّ العجز علی الصدر	۳۱	۱۶	۱۱	۱	۱
۲۱۔	صنعتِ اتصالِ تربیعی	۲	۴	–	–	–
۲۲۔	صنعتِ اقتباس	۴	۲	۶	۱	۲
۲۳۔	صنعتِ لزوم مالایلزم	۵	۲	–	۲	–
۲۴۔	صنعتِ تسجیع (سجع ہندی)	۱۴	۴	–	۲	–
۲۵۔	صنعتِ سیاق الاعداد	۳	۲	۱	–	–
۲۶۔	صنعت الصفات	۳	۳	–	۵	–
۲۷۔	صنعتِ تلمیح	۱۴	۵	–	–	–
۲۸۔	صنعتِ تضمین	۱۵	۱۰	۲	–	–

جناب رازؔی نے صنائع لفظی میں امام الکلام، فاضل بریلوی احمد رضاؔ کے کل ایک سو باون اشعار اور دیگر شعرائے اردو کے ایک سو آٹھ اشعار، یعنی اردو کے کل دو سو ساٹھ اشعار اور عربی زبان کے اکتیس اشعار، جب کہ قرآنِ کریم کی انیس آیات کریمہ اور چھ

احادیث نبویہ ﷺ درج کی ہیں۔ اردو و عربی کے اشعار ملا کر اشعار کی کل تعداد دوسو اکیانوے ہو جاتی ہے۔ یہ تمام کرشمہ سازیاں، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی جناب رازؔی نے ان اٹھائیس اقسام صنائع لفظی سے بیان کی ہیں جو امام الکلام نے اپنے اشعارِ نعت میں برتی ہیں۔

اب ملاحظہ کیجیے، امام الکلام کے کلام سے جناب رازؔی کی مزید تحقیق سعید، کہ انہوں نے صنائع معنوی وصنائع لفظی کی کل چوّن اقسام وصنعات سے جناب رضاؔ کے دوسو اکیس اشعار یک جا کیے ہیں، جب کہ دیگر شعرائے اردو کے ایک سو بیاسی اشعار یعنی اس طرح انہوں نے اردو کے کل چار سو تین اشعار جمع کیے اور عربی زبان کے بہتّر اشعار درج کیے ہیں، اس طرح اردو و عربی کے کل اشعار کی تعداد چار سو پچھتّر (پونے پانچ سو) ہو جاتی ہے۔ اس طرح جناب رازؔی نے دونوں جہتوں سے باسٹھ آیاتِ کریمہ اور آٹھ احادیثِ نبویہ ﷺ بھی بطور حوالہ ومشاہدہ جمع کی ہیں، جب کہ انہوں نے اپنے مقالے کی تصدیق و توثیق کے لیے اڑتالیس مستند وموثق کتب کے حوالہ جات بھی درج کیے ہیں۔

یہ اعداد و شمار جو بذاتِ خود ایک بے مثال نظیر ہیں کہ اردو و عربی کا کوئی بھی ادیب وشاعر صنفِ نعت میں اس قدر اقسام وصنعاتِ لفظیہ و معنویہ (صنائع وبدائع) کا حامل نہیں، جس قدر کہ امام الکلام نے اپنے اشعارِ نعت میں برتا ہے۔ ان کی اقسام در اقسام (ذیلی صنعات) علیٰحدہ ہیں جو کہ آپ ہی کا خاصّۂ بیان ہیں اور اس بات پر دلیلِ تام ہیں کہ آپ کو علمِ لدنی واقعتاً وافر و قاہر حاصل تھا۔

امام احمد رضا کے اس بلاغتِ کلام اور فصاحتِ تام کو دیکھتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (مرحوم) (صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی) نے کہا تھا: "شعر و ادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اگر صرف محاورات" مصطلحات، ضرب الامثال اور بیان بدیع سے تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یک جا کر لیے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے۔"

اس طرح معروف محققِ نعت، راجارشید محمود کہتے ہیں: "کلامِ رضا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایک ایک شعر میں کئی کئی صنعتیں نظر آتی ہیں۔"

آفرین ہے جنابِ رازؔی پر، جنھوں نے اپنے تخیّل سبک رفتار کو گلستانِ رضا میں سرپٹ دوڑا دیا ہے اور اس چمن پُر بہار سے وہ، وہ گلِ تازہ، رنگ بہ رنگ، لطافت ادبی سے پُر، بوئے عشقِ رسول ﷺ سے معطر، خوش رنگ وخوش ترنگ، چُن چُن کر لائے ہیں کہ جس سے جہانِ رضا ہی نہیں، جہانِ جاں بھی معطر و معنبر ہو گیا ہے۔ دعائے تبریزؔی ہے کہ ربّ ذوالجلال ان کو کرے عطا زورِ قلم اور زیادہ، کہ ہوں یہ مزید سیر گلشنِ رضا کے لیے آمادہ اور لائیں اسی طرح عشّا قانِ رضا کے لیے شگوفۂ نوخیز اور زیادہ۔ ان کے اس کارِ جلیلہ سے اعدائے رضا پر پڑ گیا ہے بوجھ کچھ زیادہ، بلکہ بہ زبانِ عام "بج گیا ہے ان کا باجا" اور اب ان کی نصیحت ہے، اپنے پیچھے والوں کے لیے کہ، راضؔی و رضاؔ کی طرف، ان کے پیچ نہ جانا، کیوں کہ اس کتاب نے مل دیا ہے ہمارے چہرۂ بد پر غازہ اور نکل گیا ہے اس اچھوتی تحقیق کے سبب ہمارا ادبی جنازہ، یقیناً یہ کتاب مخالفینِ رضا کے لیے وہ تازیانہ ہے جو ان پر کروٹ کروٹ برستا رہے گا بن کر شعلۂ دوشاخہ۔

الحمدللہ! جناب رازؔی نے اپنی تحقیق بے نظیر "بدیع الرضافی مدح المصطفیٰ (ﷺ)" میں بیان و بدیع اور صنعتوں سے متعلق کلامِ رضا سے جو خوشہ چینی کی ہے، فی زمانہ یہ اپنی نوعیت کا، اپنے عنوان و موضوع کے لحاظ سے، اس طرز پر نہایت عظیم و ضخیم کام ہے، گویا قطرے میں سمندر سمو دیا گیا ہے، تاجِ ادب میں گوہر پرو دیا گیا ہے، بلکہ قطرے میں تلاطم بپاں کر دیا گیا ہے۔

محترم رازؔی صاحب نے صنائع لفظی و معنوی ہی نہیں بلکہ علم الصرف و نحو کو بھی خوب خوب برتا ہے اور ابواب واوزان وافعال کی بھی عمدہ تفہیم و تشریح بیان کی ہے۔ یہ تحریک وترغیب ہے مبتدیان علوم عربیہ کے لیے، لہٰذا اس کتاب کو مدارس دینیہ میں دیوانِ حماسہ و متنبّی کے ساتھ پڑھایا جانا چاہیے، تاکہ طلبہ کو علومِ صنائع وبدائع کی تفہیم ہو، دیگر یہ کہ اس کتاب مستطاب کو تنظیم المدارس کے نصاب میں بھی شامل کیا جانا چاہیے، تاکہ علوم رضا کی فنی وعروضی ترویج ہو۔

میں جناب رازؔی کو، ان کی اس کاوشِ جلیلہ پر تہہِ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ جناب رازؔی کی یہ تحقیق اس لحاظ سے بھی قابل مدح وستائش ہے کہ انہوں نے اس میں اپنے علمی استشہا کو بھی پیش کیا ہے اور وہ یوں کہ وہ کتابوں کے حوالے پر حوالے اس طرح دیے جاتے ہیں، جیسے کتب از خود ان کے آگے بڑھ بڑھ کر بول رہی ہوں، یعنی کتاب، حوالہ خود پڑھ کر سنا رہی ہو اور جناب رازؔی صرف لکھنے کا کام کر رہے ہوں۔ ان کی تصنیفِ سعید میں زبان کی چاشنی، الفاظ کا چناؤ، جملوں کا رکھ رکھاؤ یہ بتا رہا ہے کہ جناب نے یہ کتاب بڑی محبت و عقیدت سے لکھی ہے، یقیناً ان کا یہ جذبہ وخلوص قابلِ قدر

ہے۔ ان کی ایک ایک سطر، ایک ایک جملے اور ایک ایک لفظ نہیں بلکہ ایک ایک حرف سے، ان کا عشق اور عقیدتِ رضا مترشح ہے۔

کتاب "بدیع الرضافی مدح المصطفےٰ (ﷺ)" معترضین اشعارِ رضا، نافہمِ افکارِ رضا کے لیے "ایک چُپ ہزار سُکھ" جب کہ معترفینِ رضا کے لیے تحفۂ عشق ثابت ہوگی۔ اس کتاب میں بہت سے سوالات کے جوابات اظہر من الشمس ہیں۔ درحقیقت معترض اپنے قد سے اونچا اعتراض کرتا ہے، یعنی ایسا اعتراض جس کے بارے میں وہ خود بھی کچھ نہیں جانتا کہ وہ کیا، کیوں اور کس پر انگلی اٹھا رہا ہے؟ دراصل کلامِ رضا کو سمجھنے کے لیے کچھ علوم ایسے ہیں، جن کا جاننا از حد ضروری بلکہ لازمی ہے، بہ صورت دیگر اشعارِ رضا کی تشریح و تعبیر اور اس کے معانی و مفہوم سے ناآشنائی و محرومی رہے گی۔ اس ضمن میں علامہ شمس بریلوی نے ایک علمی و فہمی فارمولا درج کیا ہے، جس کے تحت ہی اشعارِ رضا کی صحیح تفہیم شعری ممکن ہے۔ آپ کہتے ہیں:

"کلامِ فصیح وغیر فصیح میں تمیز علمِ لغت و صرف و نحو سے حاصل ہوتی ہے۔ علم لغت سے لفظ کا غریب اور مانوس ہونا معلوم ہوتا ہے اور علم لغت ہی سے قیاس لغوی کی مطابقت کا پتا چلتا ہے۔ علم نحو سے ضعفِ تالیف اور تعقیدِ لفظی کی کیفیت کا انکشاف ہوتا ہے، حروف اور کلمات کے تنافر کا اس سے پتا چل جاتا ہے، لیکن تعقیدِ لفظی سے محفوظ رہنے کے لیے علمِ معانی ایجاد کیا گیا اور تعقید لفظی کو سمجھنے کے لیے علمِ بیان رائج ہوا اور چوں کہ کلامِ فصیح و بلیغ میں صنائع لفظی بھی داخل و شامل ہیں، اس کے لیے علم بدیع وضع کیا گیا۔"

اب قاعدہ یا کلّیہ یا فارمولا یہ بنا کہ امام رضا کے کلام، ان کی تحاریر، خصوصاً نعتیہ شاعری کو سمجھنے کے لیے علمِ لغت، علم الصرف، علم النحو، علم المعانی، علم البیان، علم صنائع، علم بدائع کا جاننا نہایت ضروری ہے، بلکہ نہایت ہی اہم ہے۔ اب میں، راقم الحروف یہ کہتا ہوں، بلکہ اس فارمولا وکلّیہ میں یہ اضافہ کرتا ہوں کہ امام الکلام کے کلام کو سمجھنے کے لیے علم القرآن (ترجمہ و تفسیر)، علم حدیث، علم السیر، علم التواریخ (تاریخ عالم و تاریخ مذاہب)، علم الصوت (زبانوں کا علم، خصوصاً عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت اور اردو)، علم الادب (عربی، فارسی اور اردو ادب، منثور و منظوم)، علم الشعر (اوزان وپیمان و ردائف و قوافی، عروض کا علم)، یعنی فنِ شاعری کے تمام لوازم و تلازم سے مکمل آگاہی، ہی امام رضا کے اشعار کی تفہیم و تشریح کا صحیح ذریعہ بن سکتی ہے، بہ صورت دیگر اعتراضِ بے جا ہی مقدر رہے گا، قلب پر مہر رہے گی اور چشم تعصب کے سبب نابینا ہی رہے گا اور اشعار رضا کو کبھی نہ سمجھ سکے گا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مذکورہ بالا فارمولے کے تحت ہی کلامِ رضا کو پڑھا، سمجھا، پرکھا اور جانچا جاسکے گا، اس کے بغیر تفہیم شعری ممکن ہی نہیں، تو پھر یہ تمام اعتراضات بے جا و باطل کہ انہوں نے یہ اشعار کیوں کہے: "ارے سر کا موقع ہے او جانے والے" اسی طرح "جو ترے در سے یار پھرتے ہیں" اور "حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو" وغیرہ۔ مذکورہ اشعار تو درست ہیں لیکن چوں کہ معترض کی عقل و فہم سے ماورا، ان کی علمیت و قابلیت سے بالاتر ہیں، لہٰذا آپ کا اعتراض ٹھس۔ جب آپ قابلِ تفہیم ہو جائیں تو پھر اعتراض کیجیے گا۔

جناب رازؔی کی یہ تحقیقِ انیق اس لحاظ سے بھی عمدہ کاوش ہے کہ اس کی طباعت میں مستعمل عمدہ کاغذ (وائٹ آفسیٹ)، دل کش و ستھری طباعت، دیدہ زیب سرِ ورق، مضبوط و مربوط جز بندی، اعلیٰ جِلد اور عمدہ بندش نے کتاب کو نفاست سے پُر، گوہر پُر اثر بنا دیا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب اپنے موضوع اور طرزِ تحریر کے لحاظ سے لاثانی ہے، لیکن کچھ تشنگی یوں ہے کہ تین سو چونسٹھ صفحات پر مشتمل اس عظیم کتاب میں بہت سی نایاب کتب کے حوالہ جات تو درج ہیں، لیکن اگر ان کتب اور شخصیات کا ایک اشاریہ کتاب کے آخر میں مرتب کر دیا جاتا، تو کتاب مزید نکھر جاتی اور اس کے نور سے استفادہ نور علیٰ نور ہو جاتا۔ امیدِ واثق کہ آئندہ اشاعت میں یہ کسک و کمی بھی پوری ہو جائے گی اور طالبانِ حق و عاشقان رضا اور متلاشیانِ علم و فن کے لیے مزید سہل و سہولت سے مزین ہوگی۔

ان تمام معروضات کے بعد میری جناب رازی سے یہ التجا ہے کہ وہ عشّاقانِ رضا کے جذب و کیف کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، ان کے احترام میں فنونِ رضا کی ترویج و تبلیغ کے لیے، دیوانِ رضا "حدائقِ بخشش" کا مکمل جائزہ اسی طرز پر، نعت در نعت، شعر در شعر مکمل طور پر پیش کریں، تو یہ ایک احسانِ گراں ہم بے مایہ و بے سایۂ علم پر ہوگا اور ہم تشنگان و طالبانِ علم آپ کے لیے، آپ کے حق میں بارگاہِ خداوندی میں بوسیلۂ حضرت اُمّی لقب، آقا و ملجا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ، بہ فیضِ امام احمد رضا، دعا گو رہیں گے۔ ربِ تعالیٰ آپ کی اس کاوشِ عظیمہ کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے اور اس کے فیض سے ہمیں بہریاب ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین! واللہ خیر المستعان۔

دور و نزدیک سے

قارئینِ معارفِ رضا کے خطوط، ای میل اور خبریں

محمد انور سرور (لائبریرین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد)

بخدمتِ گرامی! صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری مدیر اعلیٰ ماہنامہ "معارفِ رضا"۔ آپ کا رسالہ ماہنامہ "معارفِ رضا" موصول ہوا۔ جناب صدر نشین مقتدرہ قومی زبان نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور اس توقع کا اظہار فرمایا ہے کہ آپ کا یہ تعاون آئندہ بھی جاری رہے گا، جس کے لیے ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

ان شاء اللہ مقتدرہ کے کتب خانے کے توسط سے طالبِ علم اور اسکالرز آپ کی کاوشوں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

نوخیز انور صدیقی (ڈائریکٹر تعلقاتِ عامہ، چیف سیکریٹری سندھ)

Hope till receiving this letter your health would have become accommodatingly up to the mark. Nation needs you, and Allah tabarak-o-talala also has to have great work from you. Inshahllah you shall fulfill mission of Ala Hazrat Barelvi Razi Allahanho at your part. May God bestow you health and all his mercy.

محمد اعظم رونجھو (ریسرچ لائبریری، سندھ یونیورسٹی، جامشورو)

I acknowledge with many thanks for sending us copy of your publication Monthly Ma'arif-e-Raza Karachi. (Vol: 31, Issue: 07, July, 2011) for Research Library the Institute of Sindhology, University of Sindh, Jamshoro, Sindh, Pakistan.
I hope you will extend your co-operation by sending us your coming publications in future also. Thanks.

ماہنامہ معارفِ رضا کے گذشتہ شماروں کی دستیابی

گذشتہ ۱۲ سالوں میں شائع ہونے والے ماہنامہ معارف رضا کے انفرادی شمارے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ مع عام ڈاک خرچ ۳۰ روپے فی شمارہ منی آرڈر کریں۔ دستیاب شماروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۲۰۰۰ء شمارہ جنوری، فروری، مارچ، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۱ء شمارہ جنوری، اپریل، جون، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۲ء شمارہ جنوری، جون اور دسمبر
۲۰۰۳ء شمارہ نومبر اور دسمبر
۲۰۰۴ء شمارہ فروری، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۵ء جنوری، فروری، (مارچ، اپریل، مئی مشمولہ سالنامہ)، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۶ء جون، جولائی، اگست اور ستمبر
۲۰۰۷ء شمارہ مئی، اگست اور دسمبر
۲۰۰۸ء شمارہ جون
۲۰۰۹ء شمارہ جولائی، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۱۰ء شمارہ مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۱۱ء شمارہ فروری، مارچ، اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر

ماہنامہ معارف رضا سال ۲۰۱۱ء کی فائل

سال ۲۰۱۱ء کے تمام ۱۲ شماروں پر مشتمل فائل محدود تعداد میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ غیر مجلد ۵۵۰ روپے، مجلد ۷۵۰ روپے مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں۔

ویب سائٹ کی خبریں

گزشتہ ماہ پاکستان، انڈیا، امریکا، انگلینڈ، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ماریشس، جرمنی، گویانا، مصر، قطر، بنگلہ دیش، کینیڈا، چین، فرانس، انڈونیشیا، ملائشیا، نیدر لینڈ (ہالینڈ)، فلپائن، جنوبی افریقہ، برازیل، اسپین، اٹلی، کویت، سنگاپور، شام، آسٹریلیا، بحرین، یونان، مولدوا، مالدیپ، نائجیریا، ناروے، پیرو، سویڈن اور تھائی لینڈ وغیرہ ممالک کے ۱۴۰ سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی ویب سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔